صراط مستقیم
یا باطل نظریات......؟
وثیقۃ الترشید کے باطل افکار کا رد
قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں
مصنف
الشیخ ابو یحیٰ اللیبی حسن قائد
مترجم
ابوثواب سلفی
ناشر: مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صِراط مستقیم

یا باطل نظریات......؟

وثیقۃ الترشید کے باطل افکار کا رد

قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں

مصنف

الشیخ ابو یحيٰ اللیبی حفظہ اللہ حسن قائد

مترجم

ابو اوّاب سلفی حفظہ اللہ

ناشر: مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه کما یحب ویرضی والصلاة والسلام علی نبیه وحبیبه المصطفیٰ المجتبیٰ وعلیٰ آله وصحابته انوار الهدیٰ وبدور الدجیٰ وعلیٰ من اهتدی بهدیهم ولآثارهم اقتضیٰ وبعد.

تمام آفاق میں ’’وثیقة الترشید‘‘ کے بارے میں گفتگو عام ہو چکی ہے جس کو مصر کے سیکورٹی اداروں نے جیل کے اندھیروں سے برآمد کیا ہے اور اس پر درج ذیل عنوان قائم کیا ہے ’’ترشید العمل الجهادی فی مصر والعالم‘‘ مصر اور عالم کے لئے جہادی عمل سے متعلق رہنمائی۔ اور اس کی نسبت شیخ امام سید عبدالقادر کی طرف کی گئی ہے اور اس کی نشر و اشاعت میں انفارمیشن کے وسیع اور معروف اداروں نے معاونت کی اس کو مختلف مذاکرات، دروس، ملاقاتوں کے ذریعہ عام کیا گیا اور اس میں جو انداز اختیار کیا گیا وہ بالکل تہمت پر مبنی ہے اگرچہ اس کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے مگر پھر بھی ناشر کی بے پناہ کوششوں کے باوجود کہ لوگوں کو اس کے قبول کرنے میں تردد ہے مگر جب قاری اہتمام سے اس کے مضامین پڑھتا ہے اور اس میں موجود دھوکہ بازی، ملمع سازی، شکوک وشبہات سے بھرپور عبارات، الزامات پر مبنی دلائل کو دیکھتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ اس میں احکامات سے کھیل تماشا کیا گیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کر لیتا ہے کہ اس کتاب کا مقصد ان لوگوں کے ایجنڈے کی تکمیل ہے جو دین دشمن عناصر ہیں اور اسلام و جہاد پر تشنیع کرنا ان کا اصل ہدف ہے قطع نظر اس کا لکھنے والا کون ہے آیا اس نے اپنے اختیار سے لکھا ہے یا اس کے سر پر کھڑے ہو کر لکھوایا گیا اور مجاہدین کو نصیحت کی گئی ہے حاصل یہی نکلتا ہے کہ مقصد صرف یہ ہے کہ جہاد کو کلی طور پر معطل کیا جائے اور طاغوت اور ان کے سرپرستوں کو خوش کیا جائے اسی بناء پر قاری یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حقیقت میں یہ **وثیقة التعبید** یعنی غلام بنانے والی رہنمائی ہے مگر جب اس باطل اور گمراہی کو کوئی قبول نہیں کر رہا اور لوگ اس سے کنارہ کشی

اختیار کرنے لگے تو انہوں نے یہود کے طرزِ عمل پر عمل کرتے ہوئے حق کو بھی باطل میں خلط ملط کردیا تاکہ لوگوں کو حق دکھا کر باطل پر لایا جائے اور وہ اس آیت کے مصداق ٹھہرے:

وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (البقرة:42)

''اور نہ حق کو باطل سے ملتبس کرو اور نہ حق کو چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو''۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (آل عمران : 71)

''اے اہل کتاب تم کیوں حق کو باطل میں خلط ملط کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ''باطل محض کو لوگوں پر مشتبہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ ضروری ہے کہ اس میں کچھ حق کا شائبہ بھی رکھا جائے'' (مجموع الفتاویٰ:182/2)

ان ہی وجوہات کی بناء پر کہ حق کو واضح کرنا اور باطل کو بھگانا اہل علم والدِّین پر ضروری ہے خواہ وہ مجاہدین ہوں یا غیر مجاہدین سب پر لازم ہے کہ وہ ایک صف بن کر کھڑے ہوں اور باطل کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور ان لوگوں کا راستہ روکیں جنہوں نے اللہ کے دین کو بے محافظ چراگاہ سمجھ کر کمزور کرنا شروع کردیا ہے اور بے کار لوگوں کے قلم دین کے واضح احکامات کے خلاف لکھنا شروع ہوگئے ہیں اور فتنہ پرور لوگوں کی عقلیں دین کے نصوص کو بدلنا شروع ہوگئی ہیں اور لوگوں کے افکار کو خراب کررہی ہیں۔

انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر ہم نے اس مشکل کام کا بیڑہ اٹھایا ہے کہ تاکہ اللہ کے دین کا مکمل دفاع کیا جائے اور شریعت کے خلاف کئے گئے ان اعتراضات کو دفع کیا جائے جو (وثیقة التعبید والتنفیذ غلام اور قیدی بنانے والی دستاویز) میں اٹھائے گئے ہیں جو ہم پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے مصر کے سیکورٹی ادارے نے تیار کی ہے اور اس کے نشر و اشاعت کی ذمہ داری امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو

مدنظر رکھ کر اور اطلاعات کے اداروں نے اٹھائی جن کا کام ہی عقائد اسلام کو منہدم کرنا اور اخلاق رذیلہ کی نشر واشاعت کرنا ہے اور دین اسلام کا مذاق اڑانا ان کا شیوہ ہے چنانچہ میں اچانک بیدار ہوا اور مجاہدین کی صحیح رہنمائی کے لئے چھلانگ لگائی ہے۔

قبل اس کے کہ ہم مذکور کتاب جو کہ حقیقت میں (ترشید التعبید و التقیید غلام بنانے اور کفار کی قید میں لیجانے والی ہدایات) کہلانے کے قابل ہے چند بنیادی باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

پہلی بات: ہماری بحث اس کتاب کے پیش نظر ہے قطع نظر اس سے کہ نسبت شیخ عبدالقادر کی طرف صحیح ہے یا غلط یا انہوں نے کتاب کسی مجبوری کے تحت یا ارادۃً لکھی بحث کرتے وقت یہ بات پیش نظر نہیں ہے بلکہ ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ یہ ایک عالم نے لکھی ہے جس میں غلطی وصحت دونوں کا احتمال ہوسکتا ہے اس کی موافقت اور مخالفت دونوں ہوسکتی ہیں تو اگر کہیں دوران بحث ہماری طرف سے سخت انداز یا ترش کلمات استعمال ہوجائیں تو اس سے شیخ عبدالقادر کی گستاخی مقصود نہیں ہے بلکہ ایک غلط بات کی اصلاح مقصود ہے کتاب پڑھنے والے کو اس چیز کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

دوسری بات: اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کی شیخ کی طرف نسبت محتمل ہے یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ حقیقتاً انہوں نے یہ لکھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے ان سے زبردستی لکھوائی گئی ہو یا انہوں نے جو کچھ لکھا ہو اس میں اپنی طرف سے داخل کر کے کتاب کو کیا سے کیا بنا دیا گیا ہو۔تو دوران بحث جب ہم مثلاً یہ کہیں کہ شیخ عبدالقادر کا یہ نظریہ باطل ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم اس نظریہ کو حقیقتاً شیخ کا نظریہ سمجھ کر رد کر رہے ہیں بلکہ ہماری مراد یہ ہوگی کہ اس کتاب کے مطابق جو شیخ کی طرف سے یہ بات آئی ہے تو وہ غلط ہے یا اس میں یہ کوتاہی ہے یعنی ہم کتاب کا رد لکھ رہے ہیں باقی حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ واقف ہے کہ یہ الفاظ کس کے ہیں۔

تیسری بات: وثیقۃ الترشید کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے ان لوگوں نے مجاہدین کے خلاف جھوٹ اور بہتان بازی کا طوفان کھڑا کیا ہے اور ساری توانائیاں اس بات پر خرچ کی ہیں کہ کسی طرح قارئین کے دل ودماغ میں مجاہدین کے خلاف غلط رائے پیدا کی جاسکے تو اگر ہم کہیں ان

کے الزامات کے جواب میں سخت لب ولہجہ اپنائیں تو اس کا مقصد یہ نہیں کہ کسی خاص شخص یا جماعت کے دفاع میں ایسا کر رہے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ جہاد ایک عظیم عبادت ہے اور عبادت کو سرانجام دینے والوں پر تنقید درحقیقت عبادت پر ہی تنقید ہے تا کہ لوگوں کے دلوں میں اس عبادت کی اہمیت کم ہو جائے لہٰذا یہ جسارت کرنے والا کیسے باشد اس کا شدت سے جواب دینا اور اس کے دلائل کا رد کرنا انتہائی ضروری امر ہے ہمارا کام دلیل سے غلط بات کا رد کرنا ہے خواہ اس کی زد میں کوئی آئے۔ ہماری معلومات کے مطابق مجاہدین ہی سب سے زیادہ اپنی ذات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں بلکہ بوقت ضرورت غلطی پر تنقید بھی کرتے ہیں اور پھر غلطی کا احساس ہونے پر اعتراف بھی کر لیتے ہیں اور فوراً اپنی اصلاح کر لیتے ہیں لہٰذا نہیں کسی کی توجیہات وتر شیدات کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

شیخ عبدالقادر نے بعض جگہ اپنی پرانی ابحاث اور تعلیقات میں شرعی مسائل کی مخالفت بھی کی جیسا کہ شیخ ابومحمد المقدسی حفظہ اللہ نے اپنے رسالہ ''**النکت اللوامع فی تعلیقات الجامع**''میں اس بات کی وضاحت کی ہے اسی طرح الشیخ ابوقتادہ حفظہ اللہ نے ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان ہے (**اهل القبلة والمتاولون**. اہل قبلہ اور تاویل کرنے والے) اس میں انہوں نے کہا کہ کتاب ''الجامع''میں بعض شرعی غلطیاں کی گئی ہیں جن کی نشان دہی اور اس پر بحث اور رد ضروری ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ:
''**ولهذی تعلم خطأ صاحب الجامع فی طلب العلم الشریف**'' یعنی اس بات سے الجامع فی طلب العلم الشریف کے مصنف شیخ عبدالقادر بن عبدالعزیز کی غلطی واضح ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے ایک اور قسم جاری کردی ہے اور اس کو محتمل کا نام دے دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص پر کفر اور مرتد ہونے کا حکم لگا دیا گیا مگر اس میں مسلمان ہونے کا بھی احتمال ہے۔ ایسے شخص پر کفر کا حکم ظاہر کے لحاظ سے لگایا جائے گا قطعی طور پر نہیں شیخ نے یہاں بہت بڑی غلطی کھائی ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو کافر قرار دینا جائز سمجھا جو ممکن ہے کہ باطن میں مسلمان ہو۔ یہ بات اسلام میں نئی ہے سلف میں اس کا کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا لہٰذا ان کی یہ بات دو وجوہات کی بناء پر باطل ہے:

اول: عام قواعد کا اطلاق کر کے حکم لگا دیا اور استثناء کے قانون کو نظر انداز کر دیا انہوں نے یہ قاعدہ

استعمال کرلیا کہ بعض احکام کے لحاظ سے یہ بات ہے حالانکہ اس قسم کے قوانین میں استثناء بھی ہوتا ہے۔

دوم: انہوں نے ائمہ کے اقوال کو خلط ملط کر دیا یعنی ائمہ کے اقوال قتال کی ایک خاص قسم کے بارے میں تھے اور انہوں نے اس کو اشخاص وافراد پر منطبق کر دیا کیونکہ بعض اقوام سے اسی طرح قتال کیا جاتا ہے جیسے مرتدین سے قتال کیا جاتا ہے انکو طائفہ ردۃ یعنی مرتد ٹولہ کہا جاتا ہے مگر اس کے باوجود بعض افراد کو مرتد نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان میں اس حکم کے موانع موجود ہوتے ہیں لہٰذا کسی مانع (رکاوٹ) کی احتمال کی بناء پر اس کا لحاظ کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مشرک کے ساتھ رہنے یا اس کی صحبت اختیار کرنے کی بناء پر کسی شخص کو کافر نہیں کہا جاسکتا بلکہ اگر کوئی شخص کفار میں رہتا ہے اور وہ اس کو زبردستی اپنے ساتھ قتال کے لئے لے کر جاتے ہیں تو اس پر کفار والا حکم قتل اور مال لینے میں لگایا جائے گا نہ کہ کفر میں۔ پس شیخ عبدالقادر نے ائمہ کے ان اقوال کو یوں بیان کر دیا کہ جاہل کا حکم وہی ہے جو پوری قوم کے بارے میں ہے حالانکہ ائمہ کی مراد یہ ہے کہ چونکہ قوم پر قتل اور اخذ مال کا حکم لگایا گیا ہے تو ان پر بھی یہی حکم لگے گا نہ کہ کفر کا اس لئے کہ انہوں نے کفر تو کیا نہیں اور قتل اس لئے کئے جائیں گے کہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف قتال میں شریک ہوئے۔ اس مسئلہ کی وضاحت شیخ رحمہ اللہ نے الشیخ عبدالمجید شاذلی کی کتاب ''**حد الاسلام و حقیقة الایمان**'' پر رد کرتے ہوئے کی ہے۔

شیخ عبدالقادر کی کتاب ''**الجامع فی طلب العلم الشریف**'' میں کئی جگہ غلطیاں کی گئی ہیں میں مختصراً بیان کروں گا اگرچہ ان کی کتاب میں جگہیں ایسی ہیں جہاں خوب بحث کی ضرورت ہے۔

پہلی غلطی: شیخ عبدالقادر نے صاحب ''**الرسالة اللیمانیة**'' کے موالاۃ کے کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کرنے پر عدم معذرت کا جو رویہ اپنایا اس میں غلو کیا۔

دوسری غلطی: اسی طرح موالاۃ المشرکین کو ایک ہی قسم قرار دینے اور یہ کہ اس میں کفر اکبر کا ہی احتمال ہے ہے جیسی غلو آمیز بات کہی۔

تیسری غلطی: بعض اسلامی جماعتوں کو یہ کہہ کر غلو کا مظاہرہ کیا کہ وہ نبی علیہ السلام کے متبعین میں سے نہیں ہیں۔

چوتھی غلطی: بعض ان لوگوں کو جنہوں نے ان سے بعض شخصی حقوق میں مخالفت کی منافق اور گمراہ قرار دے دیا۔

پانچویں غلطی: بعض لوگوں نے ان سے کچھ حقوق شخصیہ میں اختلاف کیا تو ان پر یہ حکم لگادیا کہ یہ قتال کے اسی طرح مستحق ہیں جیسے مرتدین اور یہ دونوں برابر ہیں۔

چھٹی غلطی: انہوں نے مجموعی طور پر ان تمام لوگوں کو جو پارلیمنٹ کے ممبر اور الیکشن لڑتے ہیں کافر قرار دیدیا۔

حالانکہ اپنے اس حکم کو مقید کرنا چاہیے تھا اسی بناء پر آٹھ سال پہلے میں نے ایک ''**نظرات فی اجماع القطعی**'' نامی کتاب تحریر کی جس میں شیخ عبدالقادر کے نظریہ پر بحث کی گئی ہے کہ تمام طاغوت اور اس کے مددگار کافر ہیں اور جو انہیں کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے میری یہ کتاب الحمد للہ طبع ہوئی اور خوب نشر ہوئی ہے۔اور کتاب الجامع فی طلب العلم الشریف میں بہت سارے فوائد اور دقیق تحقیقات مگر ہم نے اس میں ضرر ساں چیزیں بھی ملاحظہ کی ہیں خاص طور پر ابتدائی نوجوانوں میں فکری اضطراب اور غلو اس سے پیدا ہوا ہے خاص طور پر افراد اور جماعتوں پر حکم لگانے میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے اور یہ بات میں نے الاجماع القطعی کے مقدمہ میں یوں بیان کی ہے (اسی طرح ہم اس دلیل پر تعلیق کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں کہ ان کا اجماع قطعی کا دعویٰ تعلیق کے قابل ہے خاص طور پر اس میں جو غلطی وتجاوزات ہیں اس سے نوجوانوں میں سلبی آثار ونتائج پیدا ہوتے ہیں اور اس کی وجہ اس کی عبارتوں کا وہ قطعی انداز ہے اور وہ اسلوب کتاب ہے جو بار بار دہرایا گیا ہے جس کی آڑ میں غلو کرنے والوں کو غلو کرنے کا موقع ملا ہے اور اس سے وہ اپنے باطل خیالات ونظریات کو ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے منحرف مذہب کی نشر واشاعت کا موقع ملا باوجود اس کے کہ ہمیں یہ یقین ہے کہ مؤلف کا یہ ارادہ ہرگز نہیں تھا یہ ان کی موافقت اور تائید نہیں کرتے عبارات کی تعمیم ،اطلاق، سے ان لوگوں نے غلط معانی

حاصل کیئے اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ انہوں نے مسئلہ کو محدود کر دیا اور یہ سمجھ لیا کہ حکم صرف مرتد حکام کے معاونین پر ہے کہ ان سے دوستی یا دشمنی رکھی جائے یا نہ رکھی جائے اور اس کے علاوہ کی طرف جانے کی مجال نہیں ہے لہٰذا اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مؤلف کا ارادہ بھی یہی تھا کہ حکم صرف حکام مرتدین کے معاونین پر ہے نہ کہ ان حکام مرتدین پر بھی ہے ۔آج ہم جو بھی تنقید کرتے ہیں یا کسی کا رد کرتے ہیں تو اس کا نہ تو کوئی تاریخی سبب ہے اور نہ ہی ہم اس وجہ سے طیش میں آئے ہیں کہ **وثیقة الترشید** میں الزامات عائد کئے گئے ہیں بلکہ ہمارا طریقہ ہر ایک کے لئے یہی ہے کہ جو شخص بھی غلط بات رائج کرے گا ہم نے اس کا دلیل سے رد کرنا ہے خواہ وہ شیخ عبدالقادر ہوں یا کوئی اور۔**ولو کان اقرب قریب**

پانچویں بات: مجاہدین بھی باقی لوگوں کی طرح انسان ہیں جو حق کی تلاش اور اس کے قیام کے لئے کوشاں ہیں اور اس میں کبھی ان سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی ہے وہ کبھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہمارا ہر فعل قول غلطی سے مبرا ہے انہوں نے اپنا گھر بار، وطن علاقہ چھوڑا اور مشقتیں برداشت کیں صرف اس کا صرف یہی مقصد ہے کہ اللہ کی رضا اور اس کے دین کی مدد اور دشمنان دین کو ان کے عزائم میں ناکام بنا دیا جائے۔اس دور میں خاص طور پر جہاد کا ہر معاملے میں تعلق ہے اور اس میں مشکلات بھی زیادہ ہیں جس کی بناء پر چھوٹی بڑی تمام غلطیوں کا احتمال رہتا ہے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اب غلطیوں کا احتمال باقی نہیں رہا۔حتیٰ کہ خیر القرون میں کئی غلطیاں سامنے آئیں حالانکہ ان کے قائدین انتہائی متقی ، پاکیزہ نفوس، اور وہ علماء تھے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں امیر مقرر کئے گئے تھے مگر پھر بھی جو غلطیاں ان سے سرزد ہو جاتی تھیں نہ تو وہ تشنیع ، بدمزگی کا باعث بنتی تھیں اور نہ لوگ ان کی غلطیاں بڑھا چڑھا کر اس طرح بیان کرتے تھے کہ وہ ان کے لئے باعث عار بن جائیں اور انہیں حقیر بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ جس سے دعوت جہاد ہی رک جائے اور نہ وہ اپنے قائدین سے علیحدگی اختیار کرتے تھے کہ ان کی موجودگی میں یہ غلطیاں کیوں سرزد ہوئیں بلکہ وہ اگر کوئی کمی بیشی دیکھتے تو نصیحت سے کام لے کر دعوت جہاد کو آگے بڑھاتے اس طرح حق کا پیغام انتہائی تیزی سے آگے بڑھنے لگتا اور ان کی قیادت بھرپور طریقے

سے جہاد میں مصروف ہو جاتی اور دین کے دشمنوں کو ہتک آمیز شکست سے دو چار کر دیتے اس کی پہلی مثال یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی جذیمہ کی طرف بھیجا خالد نے انہیں اسلام کی دعوت دی میں ان لوگوں نے اس کا ''اسلمنا'' کہنے کی بجائے ''صبأ ناصبأ نا'' کہہ دیا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا ہر ایک کو ایک قیدی حوالے کر دیا جب صبح ہوئی تو خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے تو میں نے کہا اللہ کی قسم نہ میں اور نہ ہی میرا کوئی ساتھی اپنے قیدی کو قتل کرے گا چنانچہ ہم نبی علیہ السلام کے پاس آگئے اور پورا قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے اور دو مرتبہ کہا یا اللہ میں اس عمل سے بری ہوں جو خالد نے کیا۔(بخاری)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر خالد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان تنازع پیدا ہو گیا حتیٰ کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ وہ یعنی خالد اپنے والد کا غصہ اتارنے کے لئے قتل کا حکم دے رہے ہیں تو خالد رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ ان پر رحم کرے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ دونوں کا یعنی خالد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کا مقصد غلط نہیں تھا مگر خالد رضی اللہ عنہ کا مقصد اسلام اور اہل اسلام کی مدد تھا اگر چہ اس معاملہ میں ان سے غلطی سرزد ہوئی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے صبأ نا کہہ کر عہد اسلام کو توڑ دیا ہے انہیں یہ چیز سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اسی ناسمجھی میں انہوں نے ایک بہت بڑی جماعت کو قتل کر دیا اور باقی سب کو قیدی بنا لیا جن میں سے اکثر کو بعد میں قتل کر دیا مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کی بجائے امیر برقرار رکھا اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل سے براءت کا اظہار کیا اور جو قتل خطاً کی دیت بنتی تھی وہ ادا کر دی اسی بناء پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی معزول نہیں کیا جب انہوں نے مالک بن نویرہ کو ایام الردۃ میں قتل کر دیا تھا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ان کو معزول کر دو کیونکہ ان کی تلوار نے خون بہایا ہے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ تاویل پیش کر دی میں اس تلوار کو نیام میں کیسے واپس کر سکتا ہوں جسے اللہ نے مشرکین کے خلاف تانا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کو امارت سے

معزول نہیں کیا بلکہ امیر برقرار رکھا اور انہیں آگے رکھا کیونکہ امیر سے اگر کوئی غلطی یا گناہ ہو جاتا تو آپ ﷺ اس کو اس سے رجوع کا حکم دیتے مگر اس کی امارت برقرار رکھتے خالد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے حکم کے مخالف نہیں بلکہ مطیع و فرمانبردار تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ کو دین کی وہ سمجھ نہیں تھی جو دوسروں (مثلاً عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ) کو حاصل تھی جس کی بناء پر یہ معاملہ آپ رضی اللہ عنہ پر مخفی رہ گیا۔ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ خالد رضی اللہ عنہ اور مذکورہ قوم کے درمیان زمانہ جاہلیت میں عداوت و دشمنی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے قتل کا حکم دیا اس کی حقیقت واضح ہو چکی ہے۔

دوسری مثال: جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر خثعم قبیلہ کی جانب بھیجا چنانچہ لوگوں نے سجدہ میں گر کر امان طلب کی مگر جلد بازی میں لوگوں نے انہیں قتل کر دیا چنانچہ آپ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے اس کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور کہا میں ان تمام مسلمانوں سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا ان کی دیت کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ دکھائی نہیں دیتی۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی والبھیقی وغیرھم)

بعض نے قیس بن ابی حازم عن النبی ﷺ مرسلاً روایت کیا ہے امام ترمذی رحمہ اللہ العلل میں فرماتے ہیں میں نے محمد (بن اسماعیل یعنی امام بخاری رحمہ اللہ) سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ قیس بن ابی حازم سے مرسل مروی ہے۔

تیسری مثال: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جہینہ قبیلہ میں حرقہ کی طرف بھیجا چنانچہ جب ہم وہاں پہنچے تو قوم اپنے پانی کے گھاٹ پر جا چکی تھی چنانچہ مجھے اور ایک انصاری ساتھی کو اس قوم کا ایک شخص مل گیا جب ہم نے اس کو گھیر لیا تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہنا شروع کر دیا تو انصاری نے اپنا ہاتھ روک لیا مگر میں نے نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا جب ہم مدینہ آئے تو یہ بات آپ ﷺ کو بتائی گئی تو آپ ﷺ نے مجھے کہا کیا تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس نے صرف پناہ لینے کے لئے یہ کہا تھا مگر آپ ﷺ اپنی بات دہراتے رہے

حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش میں اس دن کے بعد مسلمان ہوتا۔(متفق علیہ)

اس حادثہ سے اسامہ رضی اللہ عنہ کو بڑی شرمندگی اٹھانی پڑی مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا امیر برقرار رکھا حالانکہ اس میں بہترین صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے نبی علیہ السلام نے اپنی وفات سے قبل اسامہ رضی اللہ عنہ کو لشکر کا جھنڈا دیا تھا جس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالنے کے بعد برقرار رکھا۔ اس جیسی اور بہت ساری مثالیں بھی موجود ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی بلند درجات پر فائز ہونے کے باوجود مختلف مواقع پر غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ان دلائل سے ہمارا مقصد صحابہ رضی اللہ عنہم کی غلطیاں تلاش کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر زمانہ میں جہاد جیسی عبادت میں بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں مگر اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ ہم اس سے غلطیوں کے جواز تلاش کریں اور انہیں بنیاد بنا کر غلطیوں کی اصلاح سے گریز کی راہیں تلاش کریں اور جہاد جیسی عبادت پر تنقید اور مجاہدین کو جاہل دھوکہ باز قرار دیں۔

چھٹی بات: صاحب ''وثیقہ'' کے نشر کرنے والوں نے کتاب میں کئی جگہ یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ وہ یعنی (شیخ عبدالقادر) نہ تو عالم ہیں اور نہ مفتی، مجتہد فی الشریعۃ لیکن اس کے باوجود اپنی کتاب میں جابجا احکامات شریعت پر بحث کر کے ''یجوز''، لا یجوز'' جائز ہے، جائز نہیں ''حلال'' و''ھذا احرام'' یہ حلال ہے یہ حرام ہے' جیسے فیصلے سرزد کئے ہیں مزید یہ کہا کہ مجاہدین کی قیادت بے وقوف ہے وغیرہ بلکہ جریدۃ الحیاۃ کے حوالہ سے انہیں فاسق غدار تک قرار دے دیا (نعوذ باللہ) یہ وہ القابات ہیں جن کا مجاہدین سے دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ یہ القابات تو ان لوگوں پر جچتے ہیں جنہوں نے **وثیقة التعبید** جیسی کتاب مدون کر کے ان لوگوں کی صف میں شمولیت اختیار کر لی جن کی عادت ہی طعن و تشنیع کرنا ہے۔

جب انہوں نے خود یہ اعتراف کیا کہ وہ عالم، مفتی، مجتہد نہیں ہیں پھر بھی انہوں شخص معین اور معین واقعات پر اپنی طرف سے حکم لگائے ہیں مثلاً فاسق قرار دینا حالانکہ کسی معین شخص کو فاسق، کافر اس وقت تک نہیں قرار دیا جاسکتا جب تک فسق و کفر کی شروط مکمل طور پر ثابت نہ ہو جائیں اور اسلام کے موانع واضح نہ ہو جائیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''مقصود یہاں یہ ہے کہ جس چیز کی قباحت

اور ممانعت کتاب وسنت سے ثابت ہو جائے جیسا کہ بدعت وغیرہ جب یہ کسی معین شخص سے صادر ہو تو یہ چند صورتیں ہوسکتی ہیں پہلی یہ کہ وہ اس کو کرنے میں معذور ہے مثلاً وہ یہ بدعت کسی اجتہاد یا تقلید کی وجہ سے کر رہا ہے یا اس وجہ سے کہ اس کی قدرت وہ نہیں رکھتا جیسا کہ میں نے دوسری جگہ یہ خوب ثابت کیا ہے اور میں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ تکفیر، تفسیق، (کسی کو فاسق وکافر قرار دینا) اور اس پر آنے والی وعید یہ سب قاعدے کلیہ پر مبنی ہے لہٰذا جو وعید کتاب وسنت اور ائمہ کے نصوص سے ثابت ہوتی ہے وہ کسی معین شخص پر اس وقت تک منطبق نہیں کر سکتے جب تک وہ شروط میں نہ پائی جائیں جو ثابت اور متفق ہیں اصول اور فروع دونوں میں یہی قاعدہ ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص آخرت میں اللہ کے غضب، لعنت کا مستحق ہے یا فلاں ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا یا فلاں ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا وغیرہ یہ سب اصول وقاعدے پر مبنی باتیں ہیں یعنی شریعت نے اس کے لئے ضابطہ مقرر کر دیا ہے لہٰذا اس کے بغیر کسی پر یہ حکم لگانا جائز نہیں ہے۔ (مجموع الفتاوی)

تو وہ شخص جو نہ تو عالم ہے اور نہ مفتی اور نہ مجتہد اس نے کیسے اور کس دلیل سے ان لوگوں پر تفسیق وتکفیر کے فتوے لگا دیئے حالانکہ ان میں تفسیق وتکفیر کی شروط میں سے کوئی ایک شرط بھی موجود نہیں تو کیا انہوں نے یہ فتوے اپنے الہامات کی وجہ سے یا اولیاء کے الہامات اور اہل تصوف کے کشف کو بنیاد بنا کر تو نہیں لگا دیئے؟ اور یہ سمجھ لیا ہو کہ حکم لگانے کے لئے یہی دلائل کافی وافی ہیں اور یہی حجت شرعیہ ہیں خاص طور پر جب مجاہدین اور ان کی قیادت پر الزامات عائد کرنے ہوں بالفرض اگر ہم صاحب الوثیقہ (یعنی وثیقہ نامی کتاب تحریر کرنے والے) ان کی معاونت کرنے والوں کو کچھ بھی نہیں کہیں پھر بھی انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انہوں نے جو مجاہدین کے خلاف یہ صف بندی کی ہے اور ان پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی ہے خائن، غدار، جاہل جیسے القابات سے نوازا ہے اس سے وہ جہاد کو معطل یا ختم ہرگز نہیں کر سکتے اور انہیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ وہ یہ کام کر کے دین کی خدمت نہیں کر رہے بلکہ اس جہاد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے ذریعے وہ کفار اور ان کے معاونین مرتدین کا قلع قمع کرنے میں مصروف ہیں لہٰذا کوئی کتنی ہی ان لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کر دے اور بڑے بڑے

الزامات عائد کردے وہ جہاد کو ختم نہیں کر سکتا کیونکہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ اصول ہے ''**الجهاد مع كل بر و فاجر** '' جہاد نیک اور گناہ گار دونوں کے ساتھ مل کر ہو سکتا ہے اور ہماری یہ ذمہ داری اور واجب ہے کہ ہم اہل سنت والجماعت کی دعوت کو پھیلائیں اور عام کریں اور اس کو اپنے اوپر لازم کریں یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور عقائد کی کتابوں میں موجود ہے اس میں صرف مبتدع (بدعتی) مخترع (اپنی طرف سے مسائل بنانے والا) ہی شک وشبہ پیدا کر سکتا ہے۔تو کیا آپ کی ان تہمتوں سے جہاد سے بے رغبتی اور حق کی عدم معاونت ثابت ہو سکتی ہے یا یہ جدید فہم جو جیل کے اندھیروں سے ابھی نکلا ہے جس نے ہماری اور سلف کی ان غلطیوں سے پردہ اٹھایا جو کہ آج تک کسی کو نہ سمجھ آ سکیں یا یہ ان لوگوں نے یہ محض نیلی آنکھوں والوں کو خوش کرنے کا ایک طریقہ نکالا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان دلائل اور نصوص کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں جس سے یہ قاعدہ ثابت ہوتا ہے (جس میں کسی کو کافر یا فاسق قرار دینے کی شرائط ہیں) اور صاحب الوثیقہ نے بھی اس قاعدہ کو اپنی کتاب ''العمدۃ فی اعداد العدۃ'' میں ذکر کیا بلکہ اس کی ایک فصل قائم کی مگر یہ اس زمانہ کی بات ہے جب انہوں نے مجاہدین کے خلاف الزام تراشیاں شروع نہیں کی تھیں میں یہاں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا طویل اور مفصل بیان نقل کر رہا ہوں جہاں انہوں نے اسی مسئلہ پر بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ''اگر اتفاق ہو جائے کہ یہ لوگ کامل جہاد کر رہے ہیں تو یہ انتہائی اللہ کی رضا کے مستحق ہیں کیونکہ یہ اللہ کے دین کو غالب کرنے اور اسے معاشرے میں قائم کرنے کے لئے مصروف ہیں اور یہ اللہ اور اس کے رسول کے مطیع ہیں لیکن ان جہاد کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں جن میں فسق و فجور کی خصلتیں ہیں ان کی نیت میں فساد ہے اور دنیاوی اغراض و مقاصد کے تحت ان میں شامل ہوئے ہیں اور ان کے قتال کرنے کے نقصانات بنسبت ان مذکور خصلتوں کے ساتھ قتال کرنے سے زیادہ ہوں تو بھی واجب یہ ہے کہ قتال پھر بھی جاری رکھا جائے کیونکہ ان دو نقصانات کے مقابلے میں ایک اور عظیم نقصان کو دفع کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ دین اسلام کے اصول میں سے ایک یہ بھی ہے جس کا لحاظ کرنا ضروری ہے کہ ''**والغزو مع كل بر و فاجر** '' کہ غزوہ کرنا ہر فاجر اور نیک کے ساتھ مل کر

ثابت ہے کیونکہ کبھی اللہ اس دین کی مدد فاجر شخص اور ایسی قوم سے کرا دیتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا جیسا کہ نبی علیہ السلام نے خود یہ بات بتائی ۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاجر امراء کی قیادت میں غزوہ سے منع کر دیتے تو لازمی طور پر دو باتیں سامنے آتیں اول غزوہ ترک کر دینا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ کفار غالب آجاتے اور مسلمان مغلوب ہو جاتے جو فاجر امراء کی قیادت میں غزوہ کرنے کی نسبت زیادہ نقصان دہ امر ہے ثانی فاجر امراء کی قیادت میں غزوہ کی اجازت دینے میں یہ فائدہ ہے کہ اس کے ذریعہ ان سے زیادہ فاجر لوگوں کو دفع کرنے اور اکثر شرائع اسلام کی تنفیذ ہونا ممکن ہو جاتی ہے جو کہ ہم سب کی ذمہ داری ہے اور مجبوری کی حالت میں یہ سب سے بہتر صورت ہے بلکہ خلفاء الراشدین کے بعد اکثر غزوات کی صورتحال تقریباً یہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ صحیح طور پر ثابت ہیں کہ ''گھوڑے کی پیشانی میں خیر باندھ دی گئی ہے جو قیامت تک کے لئے یعنی اجر وثواب بھی اور مال غنیمت بھی'' یہ حدیث ایک اور روایت کی معنوی طور پر تصدیق کرتی ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غزوہ جاری ہے جب سے اللہ نے مجھے بھیجا اور اس وقت تک جبکہ میری امت کا آخری شخص دجال سے قتال کرے گا اس جہاد کو کسی ظالم کا ظلم اور عادل کا عدل باطل نہیں کر سکے گا'' ۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''میری امت کا ایک گروہ غالب اور حق پر رہے گا لوگوں کی مخالفت قیامت تک انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی'' اس کے علاوہ بہت سارے نصوص اور بھی ہیں کہ جن پر عمل کے سلسلے میں اہل سنت کے تمام گروہ متفق ہیں کہ جہاد خواہ فاجر امراء یا نیک امراء کی قیادت میں ہو ہر صورت میں فرض ہے اس میں صرف خوارج اور رافضہ نے اختلاف کیا ہے جو کہ اہل سنت سے خارج ہیں انہوں نے نبی علیہ السلام کے اس واضح فرمان کی مخالفت کی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''عنقریب ظالم ، خائن ، فاجر امراء آئینگے جو ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور وہ میرے حوض پر نہیں آسکے گا اور جو ان کے جھوٹ کی تصدیق اور ان کے ظلم پر معاونت بھی نہ کرے گا وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے حوض سے سیراب ہوگا'' ۔

جب کوئی شخص جہاد کے بارے میں نبی علیہ السلام کے فرامین سے مکمل آگاہی حاصل کر لیتا ہے کہ جہاد قیامت

تک امراء کی قیادت میں جاری رہے گا اور یہ کہ آپ ﷺ نے ظالم امراء کے ظلم پر اعانت سے بھی روکا ہے تو ایسا شخص یہ بھی اچھی طرح جان لیتا ہے کہ درمیانہ راستہ جو کہ اسلام کا راستہ ہے کہ ان تمام لوگوں کے خلاف جہاد کیا جائے اور ان مراء جماعت کے ساتھ مل کر جو ان میں اسلام کے لحاظ سے اولیٰ ہوں جیسا کہ یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں سوال کیا گیا ہے یعنی وہ اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہوں اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہوں کیونکہ مخلوق کی ایسی اطاعت جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو جائز نہیں ہے کیونکہ امت کے بہترین لوگوں کا شروع سے لے کر اب تک یہی طریقہ رہا ہے اور ہم سب پر یہی واجب ہے اور یہی طریقہ صحیح ہے جبکہ حروریت اور ان کے متبعین جو کہ اپنی خودساختہ پرہیزگاری کی بناء پر طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں بالکل باطل ہے کیونکہ ان کا طریقہ ان کی کم علمی پر مبنی ہے اور مرجئہ کا طریقہ غلط ہے کہ وہ مطلق امراء کی اطاعت کو ضروری سمجھتے ہیں خواہ وہ بدکردار ہی کیوں نہ ہوں طریق وسط (درمیانی راہ) وہ ہے جو ہم نے بیان کردی ہے۔(مجموع الفتاوی)

شاید صاحب ترشید ہماری بات سے موافقت کریں گے کہ جن مجاہدین اور ان کی قیادت کے بارے میں انہوں نے بات کی ہے وہ ان سے کہیں درجے اعلیٰ ہیں جن کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اور انہوں نے اس کا بڑا علمی اور انصاف پر مبنی جواب دیا نہ کہ حسد وبغض اور تہمت کی بناء پر امام صاحب سے ان اقوام کے بارے میں پوچھا گیا جو سرحدوں پر مقیم ہیں اور ارض اقوام پر حملے کرتے ہیں جس سے مال حاصل ہوتا ہے تو وہ اس سے شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں تو کیا ایسے لوگ اگر قتل ہوں ان کو شہید کہا جائے گا تو اس کا جواب میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یوں دیا ''الحمدللہ اگر وہ جن پر حملہ کررہے ہیں وہ کفار ہیں تو اعمال کا دارومدار نیت پر ہے کیونکہ نبی علیہ السلام سے پوچھا گیا ایک شخص اس لئے قتال کرتا ہے تاکہ بہادر کہا جائے ایک شخص قومی غیرت کی بناء پر لڑتا ہے ایک شخص ریاء کاری کے لئے لڑتا ہے تو ان میں سے مجاہد فی سبیل اللہ کون سا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے لیکن اگر ان میں کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے جو مال کے حصول کے لئے لڑتا ہے اور اللہ کی نافرمانیوں میں خرچ کردیتا ہے تو یہ فاسق اور سزا کا مستحق ہے لیکن یہ

سب اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے لڑتے ہیں تو یہ مجاہد فی سبیل اللہ کہلائیں گے اگر چہ یہ لوگ کبائر گناہوں کے مرتکب بھی کیوں نہ ہوں تو ان کو کبائر کے بدلہ میں گناہ اور جہاد کے بدلے میں نیکیاں ملیں گی لیکن اگر وہ مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوں تو پھر ان کو مفسدین فی الارض یعنی زمین پر فساد پھیلانے والے کہا جائے گا اور مزید یہ کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف لڑنے والے سمجھے جائیں گے ایسے لوگ انتہائی سخت سزا کے مستحق ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ واللہ اعلم۔(مجموع الفتاوی:209/9)

یہ گمان کہ وہ مجاہدین کو ان لوگوں سے شاید اچھا سمجھیں جن کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے فتویٰ پوچھا گیا وثیقة الترشید کی اس عبارت سے پیدا ہوا جب وہ مجاہدین کے بارے میں یہ کہتے ہیں ''ان تمام باتوں کے باوجود ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ ہمارے مجاہدین بھائی ہر جگہ بہترین فیصلے کرتے ہیں اور عمدہ پیغام کے حامل ہیں اور ان کے بارے میں یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ دنیاوی مفادات کے حصول میں مصروف ہیں بلکہ ان کی اکثریت اپنی جان کی قربانی اس لئے دے رہے ہیں تاکہ اسلام اور مسلمین کو غلبہ حاصل ہو جائے''۔

ہم اس بات پر تمام مجاہدین سے معذرت خواہ ہیں کہ ہمیں مجبوراً ان لوگوں سے بحث کرنی پڑی جن کی بحث میں ان مجاہدین کو جو صادق اور اپنی جانوں کی قربانی دینے والے ہیں فاسق فاسد قرار دیا گیا ہے جیسا کہ مرشد کے قلم چلنے کا مقصد ہی یہی ہے مگر ہم نے بھی ان کے اس دعویٰ باطل کے باوجود اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ان تمام باتوں کو اگر بالفرض صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی فرضیت جہاد ختم نہیں ہوتی اور مجاہدین کی مدد اور ان کے ساتھ کھڑے ہونے سے نہیں روکا جا سکتا اور جو اس جہاد کا انکار کرتا ہے وہ گناہ گار ہے اور اللہ کے فریضے کا انکاری ہے۔

کیا صاحب الوثیقہ کا لکھنے والا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مجاہدین ان لوگوں سے زیادہ فسادی ہیں جن کی نگرانی میں یہ ''وثیقہ'' لکھا گیا؟ کیا جہاد اور دشمن کے عزائم کو ناکام بنانے کے نتائج زیادہ خطرناک ہیں یا امریکہ اور اس کی سازشیں اور اس کی مصیبتیں زیادہ خطرناک ہیں جس نے کوئی گھر ایسا نہیں چھوڑا

جہاں فساد نہ کھڑا کیا ہو؟؟

ساتویں بات: نبی علیہ السلام کی صحیح اور متواتر حدیث میں یہ فرمان موجود ہے کہ دنیا میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی اور حق کے لئے قتال کرتی رہے گی اور لوگوں کی مخالفت نہ انہیں نقصان اور نہ انہیں رسوا کر سکے گی یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال کے خلاف لڑے گا اس معنی کی ایک روایت مسلم میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ ''میری امت میں ایک جماعت اللہ کے احکامات کے لئے ہمیشہ لڑتی رہے گی اور دشمنوں پر قہر بن کر ٹوٹے گی لوگوں کی مخالفت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی قیامت کے آنے تک وہ اسی طرح (لڑتے) رہیں گے''۔

ان روایات سے دو خبریں معلوم ہوتی ہیں اول اس بات کی تصدیق کہ ایک جماعت ہر صورت میں باقی رہے گی اور وہ حق اور ہدایت کی راہ پر علی وجہ البصیرت گامزن رہے گی اور وہ ہمیشہ رہے گی اور ان کی اہم ترین علامت یہ ہوگی کہ وہ اللہ کے دشمنوں کے خلاف لڑتے رہیں گے علامہ علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں کہ ''یہ دین ہمیشہ اسی طرح قائم رہے گا کہ اس کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت قتال کرتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے (مسلم) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ زمین کبھی بھی جہاد سے خالی نہیں رہے گی اگر ایک جگہ جہاد نہیں ہو رہا ہو تو دوسری جگہ ضرور ہو رہا ہوگا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی یا قریب ہو جائے گی۔(مرقاۃ المفاتیح:441/11)

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان روایات سے تصدیق کرنا مقصود نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی رغبت دلائی کہ ہر دور میں ایسی جماعت موجود رہنی چاہیے اور ہمیں وہ جماعت تلاش کرنی چاہیے تاکہ ان کی مدد کی جاسکے اس طرح مسلم امہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق اور اس پر عملاً بھی چل سکے کیونکہ مسلمانوں کو حق اپنانے اور اہل حق کی مدد کا حکم دیا گیا ہے بلکہ بعض علماء صراحتاً فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں الفاظ تو خبریہ ہیں بلکہ مراد امر یہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا امت کو حکم دیا کہ وہ ہمیشہ جہاد میں مصروف رہے جیسا کہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا ''ہماری اس بات میں کوئی منافاۃ نہیں ہے کہ یہ صیغہ تو خبر کا ہے مراد امر ہے جیسا کہ اللہ کا یہ فرمان: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ. بے

شک ہم نے ذکر (قرآن) نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، جبکہ ہمیں وجوبی طور پر حکم ہے کہ قرآن کریم حفظ کریں اور اس کی قراءت کا لحاظ کریں''۔(مرقاۃ المفاتیح:441/11)

اور اس کی نظیر بھی قرآن مجید میں یہ بھی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ. (مائدہ:51)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پلٹا تو اللہ ایسی قوم لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے مومنین کے لئے عاجزی کرنے والے اور کفار کے لئے سخت اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ وسیع علم رکھنے والا ہے''۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی قوم اپنے دین سے مرتد ہوئی اللہ تعالیٰ ایسی قوم لے آیا جن سے وہ محبت کرتا اور وہ اللہ سے محبت کرتے رہے اور وہ جہاد بھی کرتے رہے اور وہ ہی طائفہ منصورہ کہلانے کے قابل ہے یہ قیامت تک سلسلہ جاری رہے گا۔(مجموع الفتاوی:300/18)

اسی طرح مزید فرمایا کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جب بھی کوئی قوم مرتد ہوئی اللہ نے دوسری قوم کھڑی کردی جو اللہ سے محبت کرنے والی اور اللہ ان سے محبت کرنے والا تھا اور وہ مومنین کے لئے نرم گوشہ رکھنے والے اور کفار کے لئے سخت اور وہ مرتدین کے خلاف جہاد بھی کرتے رہے ارتداد کبھی اصل اسلام سے واقع ہوا جیسا کہ نصیریہ، اسماعیلیہ فرقہ کے غالی لوگ جو اصل اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے اس بات پر تمام اہل سنت متفق ہیں اور کبھی ارتداد دین کے بعض حصوں سے ہوا جیسا کہ اہل بدعت روافض ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لاتا رہا جو اللہ کو محبوب تھے اور اللہ ان کو محبوب تھا اور یہ ان

مرتدوں کے خلاف جہاد بھی کرتے رہے جیسا کہ مجاہدین روافض کے خلاف جہاد ہر زمانے میں کرتے چلے آرہے ہیں کیونکہ وہ دین سے مرتد ہو چکے ہیں اوران لوگوں کے خلاف بھی جو دین کے بعض حصوں سے مرتد ہو چکے ہیں اور ہماری بھی اللہ سے یہی التجاء ہے کہ وہ ہمیں بھی ان لوگوں میں سے کردے جو اللہ سے اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ مرتدین اوران کے متبعین کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھاتے ہوں۔(منهاج السنة:221/7)

اس جیسی آیات واحادیث جس میں طائفہ منصورہ اوران کی صفات کا تذکرہ ہے ان لوگوں کے کمزور خیالات کی نفی کرتی ہیں جس کے ذریعے یہ لوگوں کے دلوں میں مختلف حیلوں اور وسیلوں سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اوراس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ امت امتِ قتال وجہاد ہے اور دین کے غلبہ کے لئے جہاد دشمن عناصر کے خلاف ہر زمانہ میں لڑتی رہے گی پس وثیقة الترشید لکھنے والے پر ضروری ہے کہ وہ امت کو اس بات کی رغبت دلائے کہ وہ اس طائفہ منصورہ کو تلاش کریں اور یہ تاکیداً بیان کریں کہ وہ جماعت قطعی طور پر اب بھی موجود ہے اوران کی مدد کرنی چاہیے ان کے ساتھ کھڑا ہو کر ان کی صفوں میں طاقت وقوت میں اضافہ کرنا چاہیے بجائے اس کے کہ ان کے خلاف مختلف پروپیگنڈے جھوٹے ہتھکنڈے استعمال کر کے ان کی قوت کو کمزور کیا جائے اوران کے دشمنوں کو مضبوط کیا جائے اہل ترشید یہ ہے اور اگر کوئی اپنے آپ کو ناصح اور لوگوں کو نیکی کی رغبت دلانے والا سمجھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ مجاہدین کی مدد ونصرت کے لئے کھڑا ہو جائے۔(واللہ المستعان)

صاحب الوثیقہ کا اصل ہدف

یہ وہ ابتدائی اور بنیادی باتیں تھیں جن کا تذکرہ انتہائی ضروری تھا مگران سے بھی خطرناک وہ مقاصد ہیں جو اس کتاب کے وجود میں آنے کا سبب ہیں جن پر نگاہ رکھنا ہر شخص کے لئے انتہائی ضروری ہے تاکہ جب ان کے سامنے اس جیسی کتابیں آئیں تو انہیں پہلے سے علم ہو کہ ان کا اصل مقصد خیر خواہی کے علاوہ کچھ اور ہے تاکہ وہ ان سے دھوکہ نہ کھا سکے اور مومن کا یہی کام ہے کہ وہ ہر وقت چوکنا رہے تاکہ دشمن کی سازش کا شکار نہ ہو جائے۔اب ہم وثیقہ نامی کتاب کے اصل اغراض ومقاصد بیان کرتے ہیں۔

اول: اس کتاب کا اولین مقصد یہ تھا کہ کہ مجاہدین کا علمی محاصرہ گھیراؤ کیا جائے اور ان کی سمجھ پر پہرے بٹھا کر اصل مقصد سے دور کیا جائے چنانچہ انہوں نے اس کے لئے یہ بات مشہور کرنے کی کوشش کی کہ سلف صالحین نے اپنی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے زمانے کے لئے نہیں تھا بلکہ اپنے زمانہ والوں کے لئے لکھا تھا جیسا کہ صاحب ال ''وثیقہ'' میں اس بات کو صراحتاً ذکر کیا گیا ہے اور اس پوری کتاب میں سب سے خطرناک یہی بات ہے اس خطرناک بات کو بیان کرنے کے لئے انہوں نے اگرچہ مختصر عبارت استعمال کی ہے مگر نتائج کے لحاظ سے یہ بڑی خطرناک ترین بات ہے جب جہادی سلفیت کی اصطلاح عام ہوئی اور اہل اسلام نے اس بارے میں کتب تصنیف کرنی شروع کیں اور ان کے اس منہج کو خوب پذیرائی ملنا شروع ہوئی کہ ہماری بنیاد سلف کے اصول پر چلنا اور ان کے فرامین سے استدلال کرنا ہے اور سلف کے منہج کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے قولاً عملاً کفار، مرتدین، یہود ،نصاریٰ کے خلاف جہاد بھی ہمارے منہج کا حصہ ہے تو یہ لوگوں میں پھیلنا شروع ہوگیا تو ''وثیقہ'' لکھنے والوں نے اس کا یہ توڑ نکالا زمانوں میں فرق کر کے ان دونوں زمانوں میں پردہ حائل کر دیا جائے اور یہ مشہور کر دیا جائے کہ سلف نے جو بھی کتابیں تحریر کی ہیں وہ سب اپنے زمانے کے لئے تھیں ہمارے زمانہ سے اس کا تعلق نہیں ہے اب حالات بدل چکے ہیں کیونکہ اس زمانے میں مسلمان دارالاسلام میں رہتے تھے ان کی اپنی حکومت تھی خلافت تھی خلیفہ بھی اپنا تھا اور کفار دارالحرب میں رہتے تھے دارالاسلام میں یہ واضح تھا کہ کون مسلمان ہے اور کون ذمی ہے جبکہ اب ایسا نہیں ہے کیونکہ لوگ خلط ملط ہو چکے ہیں لٰہذا وہ یہ کہنے لگے کہ سلف کی کتابیں پڑھتے وقت ان چیزوں کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے ہمیں اگرچہ اس سے اختلاف نہیں ہے کہ حالات واقعی تبدیل ہو چکے ہیں پہلے دین سے تمسک اور اس پر ثابت قدمی آج سے کہیں درجہ زیادہ تھی مجاہدین ہی نہیں بلکہ عام مسلمان آج بھی یہی کوشش کرتے ہیں کہ وہی دور دوبارہ لوٹ آئے اور ہمیں آج کی اس بے دینی سے نجات مل جائے مگر صاحب ''وثیقہ'' کا یہ کہنا کہ سلف کا ہمارے آج کے دور کے لئے نہیں ہے یہ کلی طور پر حقیقت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ سلف کے فتاویٰ خاص واقعات اور خاص زمانہ سے متعلق نہیں ہیں بلکہ وہ شرعی احکامات پر مبنی ہیں اور وہ ہر زمانہ کے لئے ہیں

اور اگر بعض احکام ان کے زمانہ کے ساتھ خاص بھی ہیں تو اس کی بھی انہوں نے وضاحت کردی ہے اور ہر ذی عقل سلیم اس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس کا تعلق فلاں زمانے سے ہے اور علماء متخصصین تو اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں ہمیں یہ بھی اچھی طرح علم ہے عصر وزمانہ نبی علیہ السلام سے لے کر آج تک کتنا تبدیل ہو چکا ہے اور ہر صدی سابقہ صدی سے مختلف احکامات فتاویٰ اور دیگر مسائل بیان کرتی ہے اور آنے والی اس سے صدی برابر فائدہ اٹھاتی ہے۔

شیخ عبدالقادر کے بارے میں ناشرین نے یہ نقل کیا ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ ''میں نہ تو عالم نہ مفتی اور نہ مجتہد فی الشریعت ہوں'' مگر اس کے باوجود ان کی سابقہ کتابیں اور ''وثیقہ'' علماء سلف وخلف کے اقوال سے بھری پڑی ہیں اور انہوں نے مسائل جزئیہ اور محدود قسم کے واقعات پر ان کے اقوال سے دلائل بھی اخذ کیے ہیں اور فتویٰ بھی دیا ہے بلکہ ان کے بڑے رسائل العمدۃ اور الجامع فی طلب العلم الشریف وغیرہ میں تو خود انہوں نے احکام شریعت کے ان مسائل پر بحث کی جن کا کسی خاص واقعہ سے تعلق تھا جب وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ وہ نہ عالم ہیں اور نہ مفتی و مجتہد فی الشریعۃ پھر بھی انہوں نے ''وثیقہ'' میں یہ لکھ دیا کہ جو کچھ علمی کتابوں میں لکھا گیا ہے اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے سوائے ان فتاویٰ کے جو ان لوگوں نے دیئے کہ وہ شریعت کی بصیرت رکھتے ہوں اور واقع کی حقیقت جانتے ہوں۔اب یہ ہمیں بتائیں کہ انہوں نے ''وثیقہ'' میں کسی طرح مختلف قسم کے احکامات وفتاویٰ جاری کیے اور وہ بھی گذشتہ علماء کی کتب سے نقل کر کے اگر یہ کام شیخ عبدالقادر کے لئے جائز ہو گیا کہ وہ سلف وخلف کی کتب سے اقوال نقل کر کے مسائل بیان کریں تو مجاہدین کے لئے یہ کیسے ناجائز ہو گیا کہ وہ سلف کی کتب سے استفادہ کر کے ان کے منہج پر چلتے ہوئے جہاد جیسی عظیم عبادت میں مشغول ہوں اگر یہ کام شیخ عبدالقادر کے لے حلال ہے حالانکہ بقول ان کے وہ اس کے اہل نہیں ہے تو مجاہدین کے لئے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ سلف نے کتب اپنے زمانے کے لئے لکھی تھیں ہمارے زمانے کے لئے نہیں اور ان سے احتیاط کرنی چاہیے وغیرہ بالکل باطل ہے چنانچہ ''وثیقہ'' کی ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ دراصل مجاہدین کا سلف سے ناطہ ختم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ان کی کتب ،علم ،فتویٰ سے دور

ہوجائیں اور یہ چاہتے ہیں کہ مجاہدین اپنے حالات کو اپنی نگاہ سے دیکھیں نہ کہ سلف صالحین کی نگاہ سے اور احکامات کے معاملہ میں بھی یہی روش اپنائیں کہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق ہوں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ ہم بہت ساری ایسی اسلامی جماعتوں کا حال دیکھ چکے ہیں حالانکہ وہ دعویٰ بھی کرتے رہے کہ ہم عصری تقاضوں اور حالات وواقعات سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔

فَلَمَّا زَاغُوٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (صف:5)

''جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے بھی ٹیڑھا کردیا ان کے دلوں کو اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا''۔

لہٰذا مجاہدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کے خرافات نظریات کی طرف قطعی توجہ نہ دیں بلکہ علوم سلف کے ساتھ پختگی سے منسلک رہیں اور ہمیشہ اسی پر نظر رکھیں اور ان کی علمی روشنی سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور ان کے آثار کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھیں خاص طور پر وہ احکام شریعہ جو ان کی کتب میں درج ہیں اور ان کی کسی خاص واقعہ یا حالت کے ساتھ تخصیص نہیں ہے بلکہ وہ قضایا کلیہ ہیں اور وہ زمانہ پر منطبق ہوتے ہوں جن کا جاننا ہر خبیر پر ضروری ہو۔

الہدف ثانی

وثیقة الترشید جیسی کتب کا ایک مقصد صلیبی، صہیونی طاقتوں کو نئی زندگی فراہم کرنا اور ان کے معاونین مرتد و کفار قسم کے لوگوں کو مضبوط کرنا ہے تا کہ انہیں منظّم ہوکر مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہونے کا موقع فراہم کیا جائے کیونکہ جب مجاہدین کو اس قسم کی لغوموشگافیوں میں مصروف کردیا جائے گا اور ان کو یہ باور کرادیا جائے کہ یہ بڑے اہم مسائل ہیں تو ان کی مکمل توجہ اس جانب ہوجائے گی اور دین دشمن عناصر ان کی اس غفلت سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اپنے زہر آلود عزائم اور اپنی مکروہ سازشیں ان میں داخل کردیں اور اپنے قدم مضبوط کرلیں۔ مجاہدین کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی سازشوں پر گہری نظر رکھیں خواہ وہ سازش اس ''وثیقہ'' میں ہو یا کسی اور کتاب میں اور انہیں یہ بات بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ دین کو قائم کرنے اور ظلم کے خاتمہ، نظام عدل کے قیام کا واحد راستہ قتال فی سبیل اللہ ہے کیونکہ اللہ فرماتا

ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (انفال:39)

’’ان کے خلاف قتال کریں تاکہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا اللہ کے لئے (قائم) ہو جائے اور اگر یہ لوگ رک جائیں تو اللہ جو یہ اعمال کرتے ہیں ان کو دیکھنے والا ہے‘‘۔

اگر فتنہ کو ختم کرنے کو کوئی طریقہ ہوتا تو لازماً اللہ اس کو واضح کر دیتا یہاں فتنہ سے مراد شرک، اللہ کے راستے سے روکنا ہے، لہٰذا اے مجاہدین کی جماعت دین کو قائم کرنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ لہٰذا اپنی تمام توجہات اسی جانب رکھو اور غیر ضروری کاموں سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اپنے دشمنوں کو ایسا کوئی موقع نہ دو کہ وہ بےخوف ہو کر اپنے کفریہ عزائم کی تکمیل کر سکیں اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لو اگر دین کی راہ میں آپ کو کچھ تکالیف، مشکلات، پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو آپ کے مخالفین کو بھی اسی قسم کی مشکلات کا سامنا کرتا پڑ رہا ہے۔ لہٰذا گھبرانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (نساء:104)

’’کسی قوم کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو (میدان جہاد میں) تمہیں کچھ مشقت اٹھانی پڑتی ہے تو فریق مخالف کو بھی اسی طرح مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں جو اللہ کی برکات کی تم امید کرتے ہو وہ ایسا نہیں کرتے اور اللہ علم و حکمت والا ہے‘‘۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ

الظّٰلِمِیْنَ. (آل عمران :140)

''اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس جیسی تکلیف فریق مخالف کو بھی پہنچ چکی ہے یہ ایام ہم گردش دیتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان تا کہ اللہ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کی عملی شہادت دی اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا''۔

الهدف ثالث

ان لوگوں کا تیسرا اور خطرناک ہدف یہ ہے کہ وہ مجاہدین کو ڈاکو چور، خواہش پرست، جھوٹے، دھوکہ باز ،خائن لوگوں کی صورت میں پیش کریں اور یہ کہ مجاہدین ہر طرح سے دین واخلاق سے عاری لوگ ہیں اور کوئی علم نہ انہیں ہدایت دیتا ہے اور نہ کوئی عقل انہیں ضابطہ سکھاتی ہے اور نہ یہ دین کی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور ان کا مقصد حقیقی صرف لوگوں کا خون بہانا ہے جس کے لئے یہ کوشاں ہیں اس کے لئے نہ وہ کسی حرمت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ وہ کسی عہد کا لحاظ کرتے ہیں حتی کہ صاحب ''وثیقہ'' نے تو ان کو اس لئے کہ یہ لوگوں کو ان کے رنگ، جنس وغیرہ کے لحاظ سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔

جو اس ''وثیقہ'' کا مطالعہ کرتا ہے اس کے دل میں یہ چیز چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے لازمی آجاتی ہے اور وہ اس کے مطالعہ کے بعد ان تمام لوگوں کے خلاف اپنے دل میں نفرت محسوس کرتا ہے جن کا جہاد اور مجاہدین سے کسی قسم کا تھوڑا سا بھی تعلق ہو اور مجاہدین کے ہر عمل کو وہ اسی نگاہ سے دیکھتا ہے خواہ وہ کتنا ہی اچھا عمل ہو اور مطالعہ کرنے والے کو یہ ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا کہ یہ تمام باتیں اس صاحب ''وثیقہ'' کی خودساختہ اور خرافات پر مبنی ہیں اور اس کتاب کا اصل ہدف یہی کہ کسی طرح لوگوں کو مجاہدین سے اتنا متنفر کر دیا جائے وہ ان کے قریب آنے سے گریز کریں اور لوگ ان کے ساتھ تعاون ونصرت چھوڑ دیں اور ان سے اس قدر کراہیت کریں کہ لوگ الٹا ان کے خلاف کھڑے ہو جائیں جیسا کہ ہمارے سامنے عراق کی مثال موجود ہے کہ وہاں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔صاحب ''وثیقہ'' الترشید کا یہی ہدف ہے کہ جہاد کی اس تحریک کو ختم کیا جائے لیکن یہ ممکن نہیں ہے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے ویمکرون ویمکراللہ واللہ خیر الماکرین. ''یہ سازشیں کررہے ہیں اور اللہ ان کے

خلاف تدبیریں کررہا ہے اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے''۔

الھدف رابع

صاحب ''وثیقہ'' کا چوتھا ٹارگٹ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ امت اسلامیہ پر جو حالات درپیش ہیں وہ اس کو حقیقت کے طور پر قبول کریں اور ان کا اعتراف کرنا ضروری ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ امت اس طرز زندگی کو دل کی گہرائی سے قبول کرلے اور ان کی کوشش ہے کہ یہ بات دل میں راسخ کردی جائے کہ ان حالات سے نکلنے کا آج کوئی طریقہ وعلاج نہیں ہے لہٰذا ان خیال میں ان حالات کی تبدیلی کے لئے سوچ وبچار کرنا عبث بے کار ہے لہٰذا اس کو حقیقت کے طور پر قبول کرلیا جائے اور اس کے انکار کی کسی کے اندر جراءت نہیں ہونی چاہیے یہ سوچ دراصل عالمی لادین آزاد خیال طرز زندگی کی طرف پہلا قدم ہے اور ان کا مقصد یہ بھی ہے کہ نظریۂ الولاء والبراء (مومنین سے دوستی کفار سے دشمنی) کی جگہ امت میں وطنیت کی سوچ کو فروغ دیا جائے اور امت سے مرتدوں کی شریعت اور ان کے خود ساختہ نظام کا اعتراف کرایا جائے تاکہ وہ اپنے ان خود ساختہ قوانین کے ذریعے مسلمانوں پر حکومت کرتے رہیں اور اپنے یہ قوانین اپنی آگ ولوہے کے بل بوتے پر نافذ کریں اور ان کی فوج اور سیکورٹی کے ادارے اور ذرائع ابلاغ کے کتے مسلط ہوجائیں اور جو ان قوانین کی مخالفت کرے اس سے زبردستی ان پر عمل کرایا اور جو ان قوانین کی مخالفت کے ساتھ ساتھ ان کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے ان کی جڑیں کاٹ دیں تاکہ کوئی تبدیلی کا سوچ بھی نہ سکے۔

الھدف خامس

امریکہ کا حقیقی چہرہ چھپا کر اس کی جگہ انہیں ایک عدل پسند اور مساوات قائم کرنے والی قوم کے طور پر امت کے سامنے پیش کیا جائے اور یہ بات ذہن نشین کرائی جائے کہ امریکہ اور اہل مغرب سب سے زیادہ حقوق انسانی کے علمبردار، مظلوم کو انصاف فراہم کرنے والے لوگ ہیں اور وہ ہمارے لئے قیادت اور امانت داری میں مثال ہیں کہ ہم انہیں اپنے لئے نمونہ بنا کر ان کے نقش قدم پر چل پڑیں اور صاحب ''وثیقہ'' کی مکمل کوشش ہے کہ مغربی تہذیب کی خرابیاں اور برائیاں امت کی نگاہوں سے اوجھل

رہیں اور صاحب ''وثیقہ'' کی بھرپور کوشش ہے کہ مغرب کے ان جرائم پر پردہ ڈال دیا جائے جو روزانہ وہاں وقوع پذیر ہوتے ہیں جن کو سن کر انسانی معاشرہ حیرت زدہ رہ جائے مثلاً وہاں قتل غارت گری عام ہے خاندان کے خاندان یک لخت ختم کردیئے جاتے ہیں عزتیں لوٹنا عام ہے چوری ڈکیتی کی وارداتیں اسی طرح ہیں جس طرح باقی دنیا وغیرہ میں اس صاحب ''وثیقہ'' کی کوشش یہ ہے کہ مجاہدین کا بدترین نقشہ کھینچا جائے اور اہل مغرب کے ان کفار اور سرکش لوگوں کا نقشہ لوگوں کے سامنے بھلی صورت میں پیش کیا جائے۔

الہدف سادس

چھٹا ہدف یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ والی بات نہیں کہ مجاہدین کی قیادت کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں بڑی عزت واحترام ہے خاص طور پر ان کی بہترین عادات واطوار کی وجہ سے کیونکہ وہ انتہائی بردبار واقع ہوئے ہیں اور انہوں نے امت کے جن دشمنوں کی نشان دہی کی وہ ہمیشہ سچی واقع ہوئی ان کے قول وفعل میں ہمیشہ یکسانیت پائی گئی ہے اور وہ جن خطرات کو محسوس کرتے ہیں ہمیشہ سچے ثابت ہوئے جہاں ان کے ساتھی لشکر والے قربانیاں پیش کرتے ہیں وہیں ان کی قیادت بھی اپنی جان ومال کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتی بلکہ وہ ہمیشہ اس معاملے میں سب سے آگے رہتے ہیں۔ اس صاحب ''وثیقہ'' کی کوشش ہے کہ کسی طرح ان لوگوں کے دلوں سے ان کا یہ احترام واعتماد نکالا جائے خاص طور پر مجاہدین کو ان کی قیادت سے کسی طرح متنفر کیا جائے اور اللہ نے مجاہدینکو جہاد اور صبر کرنے پر جو اجر ومقام اور عزت دی اسے لوگوں کے دلوں سے نکالا جائے ہم مجاہدین کے بارے میں اچھا گمان ہی رکھتے ہیں اگرچہ ''**لانزکی علی اللہ احدا**'' ان لوگوں نے اس کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ دو طرح ہے پہلا یہ ہے کہ کسی طرح ان کی کوئی چھوٹی سی غلطی پکڑی جائے پھر اس کو لوگوں کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں انہیں گرایا جائے جیسا کہ **وثیقۃ التعبید** (غلام بنانے والی تحریر) نے مجاہدین کی جو تصویر کشی کی وہ یہ ہے کہ گویا یہ معرکوں سے فرار ہونے والے اور اپنے ماں باپ بیویوں کو چھوڑے ہوئے ہیں اور فاسق، جھوٹے، فسادی، جاہل لوگ

ہیں اوران کا مقصود اصلی صرف اپنا تسلط قائم کرنا اورشہرت ونا موری ہے۔

دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ مجاہدین کی قیادت پر کسی قسم کی تنقید نہ کی جائے بلکہ انہیں غلطیاں کرنے دی جائیں ان پر نگاہ رکھی جائے اور کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جس کو بنیاد بنا کرانہیں دفاعی پوزیشن پر کھڑا کردیا جائے اگر یہ پلاننگ کامیاب نہ ہوئی تو صاحب ''وثیقہ'' کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات تو پیدا کئے جارہے ہیں۔

الہدف السابع

ساتواں ٹارگٹ یہ ہے لوگوں کے سامنے یہ بات رکھی جائے کہ امت پر جتنی مشکلات ومصائب آج ہیں ان تمام کا سبب مجاہدین ہیں اور یہ امت کو ہلاکت کی طرف دھکیل رہے ہیں اوران کا جہاد سوائے بربادی اور فساد کے کوئی نتیجہ نہیں دے رہا اور اگر یہ مجاہدین جابر اور نکمی حکومتوں کو پریشان نہ کر رہے ہوتے تو آج امت پر یہ کڑا وقت نہ آتا اورانہوں نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بھی بٹھانے کی کوشش کی ہے کہ مجاہدین کی سرگرمیوں سے قبل امت امن وامان میں تھی گویا **وثیقة التعبید** لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانا چاہتی ہے کہ ترک جہاد وہجرت ،عزلت (کفار سے علیحدہ رہنا)اور کتمان ایمان (ایمان چھپانا)لوگوں کی ترقی وعزت کا سبب ہے اوران تمام پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جس میں آج پوری امت مبتلاء ہے۔اوراس کے برعکس جہادی سرگرمیاں جاری رکھنا،مرتد حکومت کو تبدیل کرنے کی کوششیں کرنا،متکبرلوگوں سے ملک کا قبضہ چھڑانا،اورایسے لوگوں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنا تاکہ کوئی اپنے تکبر اور ظلم کی بنیاد پر حکومت اور ملک پر قبضہ برقرار نہ رکھ سکے وغیرہ یہ ایسے امور بتائے گئے ہیں جس کی وجہ سے امت پریشانیوں میں مبتلا ہوتی ہے تاکہ ایسے توسیع پسندانہ عزائم رکھنے والوں کو کھل کر اپنے مکروہ عزائم کو پورا کرنے کا موقع مل سکے اوران کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھا سکے چنانچہ ان کی یہی کوشش ہے کہ کسی طرح مجاہدین کی ظلم وزیادتی کی داستانیں سنا کراور جیل کی سختیاں بتا کراور زندگی کے خاتمے کی دھمکیاں دے کر خاموش کردیا جائے اوران ظالم حکومتوں اوران کے سرپرستوں کو آزادی سے کام کرنے کا موقع مل سکے اس مقام پر نبی علیہ السلام کے

دوفرامین نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا:

’’قریب ہے کہ تمہارے خلاف قومیں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح لوگ کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا اس دن ہم تھوڑے ہوں گے جس کی وجہ سے یہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن تم بہت زیادہ ہوگے لیکن تمہاری حیثیت اس دن پانی پر آنے والے کوڑے کرکٹ کی طرح ہوگی تمہاری ہیبت دشمن کے دل سے نکل گئی ہوگی اور تمہارے دل میں الوہن پیدا ہوجائے گا۔ صحابہ نے کہا: الوہن کیا ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا: زندگی کی محبت، موت کی کراہیت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم عینہ بیع کرنے لگو اور گائے کی دم پکڑلو اور زراعت کو پسند کرنے لگو اور جہاد چھوڑ دو گے تو تم پر اللہ ذلت مسلط کردے گا وہ اس وقت تک رہے گی جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ‘‘۔

یہ دونوں حدیثیں آج کے مسلمانوں کی حالت بیان کررہی ہیں کہ انہیں دنیا محبوب ہے موت سے نفرت ہے جہاد ترک کردیا جس کے نتیجے میں اللہ نے کافر امتیں مسلط کردیں ہیں جو انہیں ذلت ورسوائی سے دوچار کررہی ہیں اور اس کا سب سے بڑا سبب ترک جہاد ہی ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ، اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْئًا وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (توبۃ:38-39)

’’اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین پر بوجھل ہوجاتے ہو کیا تم نے حیات آخرت کے مقابلہ میں حیات دنیا کو پسند کرلیا ہے تو حیات دنیا کا فائدہ آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہے اگر تم نہ نکلے تو وہ تمہیں المناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ ایسی قوم لے آئے گا جو تمہارے علاوہ

ہو گی اور تم ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے‘‘۔

آیت میں جس عذاب الیم کا تذکرہ ہے اس سے مراد ذلت اور قوموں کا ایک دوسرے کو دعوت دینا مراد ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے اور اس سے نجات کی واحد راہ دین اور جہاد کی طرف رجوع ہے جس کا پہلی حدیث میں تذکرہ ہے اور یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق ہے جیسا کہ فرمایا:

وَقَاتِلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ. وقول الله تعالىٰ : وَقَاتِلُوْهُمْ حتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ.

’’تم مشرکین کے خلاف سب مل کر قتال کرو جس طرح وہ سب مل کر تمہارے خلاف قتال کرتے ہیں اور جان لو اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ اور مزید فرماتا ہے: اور تم ان کے خلاف قتال کرو تا کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا اللہ کے لئے ثابت ہو جائے‘‘۔

یہ تمام اہداف جو ذکر کئے گئے ہیں ان کا واحد مقصد یہ ہے کہ مجاہدین کا خارجی طور پر محاصرہ کیا جائے اور داخلی طور پر روکا جائے اور ان میں اختلافات پیدا کئے جائیں اور ان کے عزائم کو کمزور کیا جائے، اور باہمی اتحاد کو جو ان کا سب سے بڑا رابطے کا ذریعہ ہے اس کو ختم کیا جائے اور ان کے مقاصد کو ناکام بنایا جائے ان میں کسی طرح کمزوری پیدا کی جائے، اور ان پر زمین تنگ کر دی جائے تا کہ ملک میں طاغوتی حکومت کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا جائے تا کہ جہالت پر مبنی معاشرہ قائم رہے جس سے اللہ اور مسلمانوں کے دشمن خوب فائدہ اٹھا کر اپنی من مانیاں کر سکیں مگر رب کا یہ فرمان حقیقت پر مبنی ہے:

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ. (فجر:14)

’’بے شک تیرا رب گھات میں ہے‘‘۔

’’وثیقہ‘‘ میں بیان کئے گئے شرعی مسائل کا ایک جائزہ

مرشد (خودساختہ ہدایت دینے والا) اپنے ’’وثیقہ‘‘ میں کہتا ہے: ’’جب خلافت عثمانیہ انیسویں صدی کے اختتام پر کمزور پڑ گئی تو بہت سارے مسلمان ممالک کو یورپی حکومتوں نے اپنے کنٹرول میں لے لیا

اورانہیں تقسیم کردیا اور کمزور کرنا شروع کردیا ان کے مال ودولت کو لوٹ لیا اور صنعتی ترقیاں روک دیں لوگوں کو مختلف انداز سے جدائیاں پیدا کیں اور ایسے حالات پیدا کئے جس سے غربت میں اضافہ ہوا اور مزید یورپ نے اپنی ثقافت رائج کردی اور فوج کشی کر کے اپنے قوانین نافذ کردیئے پھر ان یورپی حکومتوں نے یہودیوں کے لئے ایک نئی مملکت عالم اسلام کے دل میں قائم کردی تاکہ مسلمانوں کو ذلیل ورسوا کیا جائے۔اس میں شک نہیں کہ یہ سب مسلمانوں کے گناہوں کی وجہ سے ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:وَ مَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ . ''تمہیں جو کچھ بھی پہنچتا ہے تو تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے'' (شوری:30)۔اوران کی یہ دشمنانہ کاروائیاں جاری رہیں تنزلی کی نوبت انتہائی شدید ہوگئی یہاں تک کہ اللہ کے اس قول کا مصداق بن گئی:وَ لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَہُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمۡ ''آپ سے یہود اور نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت کی اتباع شروع نہ کردیں'' (بقرہ:120) ان حالات کو دیکھ کر بعض اسلامی جماعتوں نے اپنے ملک کی قابض حکومتوں کے خلاف یا بڑی حکومت کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کے نام پر تصادم کی راہ اپنالی تاکہ اسلام کی عظمت بلند کی جاسکے۔مختلف علاقوں میں تصادم پھیل گیا اور اس تصادم میں بہت سارے شریعت کے مخالفین بھی شامل ہوگئے (انتہی)

اس میں شک نہیں کہ جس دور سے امت مسلمہ گزر رہی ہے یہ اس کا مختصر سا بیان ہے اور اس میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ چند بڑے ممالک نے مسلمان شہروں پر قبضہ کرلیا اور خلافت عثمانیہ کے وارث بنے یہاں انہوں نے اپنے قوانین لاگو کئے اور ان ممالک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور یہاں کی تمام دولت لوٹ لی اور ایک یہودی ریاست قائم کر کے اس کی پشت پناہی بھی کی اور اس کی سیاسی،اقتصادی عسکری مدد بھی کی مگر ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ حکومتیں ڈکٹیٹر حکومتوں کی پشت پناہی اور ان کی حمایت کرتی رہی ہیں اور ان کو مضبوط کرنے میں لگی رہیں تاکہ ان کے ذریعے اپنے ایجنڈہ کی تکمیل کرسکیں آج اسلامی ممالک کا یہی حال ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ تمام اسلامی ممالک پر ان لوگوں کا قبضہ ہے کہیں زبردستی قبضہ اور کہیں ان کی مرضی سے اگرچہ وہاں ظاہری

طور پر حکومتیں مقامی ہیں مگر حقیقت میں اصل حکومت ان یورپی ممالک کی ہی ہیں اور مقامی حکومتوں کی کوئی حیثیت نہیں سوائے اس کے کہ یہ ان کی انتہائی ذلیل طریقے سے آلہ کار ہیں وہ یورپی ممالک ان کی مدد صرف اس وجہ سے کررہی ہیں کہ وہ ان کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان لوگوں نے پہلے ہمارے ممالک پر عسکری قبضہ کیا پھر ان کو ایسے لوگوں کے قبضہ میں دے دیا جو ان کے ایجنٹ بن کر ان کے ایجنڈے پر کام کرسکیں کیونکہ اس طرح وہ جتنا کام کرسکتے تھے اتنا اپنے قبضے سے ناممکن تھا لہٰذا آج یہ دعویٰ کرنا کہ ہم آزاد ممالک ہیں یہ محض دھوکہ بازی ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسے لوگ ہم پر مسلط کردیئے جن کے نام کا حصہ حسن، حسنی، حسین، عبداللہ یا زین العابدین جیسے الفاظ ہوں یا باقاعدہ مغرب کے نصرانی نیلی آنکھوں والے مسلط کردیئے ان ہی وجوہات کی بناء پر مجاہدین نے ان کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا ہے تاکہ ملک کو ایسے قبضہ گروپ لوگوں سے نجات دلائی جائے۔

ایسی صورت میں قاری کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگر ہم کم سے کم بھی تبصرہ کریں تو یہ بات سامنے آئے گی کہ آج ہمارے ملکوں پر حقیقی قبضہ یورپ کا ہے اور ان ہی لوگوں کے قوانین، ایجنڈے پر کام ہورہا ہے اور ان کی پالیسیوں کے نتائج ان کی سوچ سے بھی زیادہ نکل رہے ہیں دین خداوندی ان کی سیاست کی بیخ کنی کرتا ہے اور عقائد اسلامیہ ان کی اخلاقی برائیوں کو رد کرتا ہے اسلامی اخلاق ان کی برائیوں کو واضح کرتا ہے ان کے قوانین کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان ممالک کی دولت پر قبضہ کیا جائے یہی وجہ ہے کفر کے آئمہ اپنے خودساختہ نظام کو ان ممالک میں رائج کرنے اور اس کی پشت پناہی میں اپنی قوت لگارہے ہیں خاص طور پر خودساختہ آزادی اور جمہوری نظام کو رائج کرنے میں۔اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ان کے مددگاروں کے ہاتھوں پریشانیاں اٹھارہے ہیں، پورے ملک میں کفار کے چھوڑے ہوئے لوگ سیاست چمکا رہے ہیں تاکہ کفار کی سازشوں کی تکمیل کریں اور مسلمانوں کی نوجوان نسل ان کی فرمانبرداری پر لگی ہوئی ہے اور کفار کی تہذیب وتمدن دل میں جگہ کررہی ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنا کامیابی سمجھا جارہا ہے جبکہ مرتد آئمہ اور ان معاونین بلاچوں چراں اور شریعت کی

مخالفت کی پرواہ کیئے بغیر کفار کی جانب سے جو مطالبہ آتا ہے پورا کیئے جا رہے ہیں اگر اس کے نتیجہ میں قوم کتنا ہی نقصان برداشت کرے۔اب مجھے بتاؤ کیا جب مغربی استعمار کے بحری جہاز سمندروں میں دندناتے پھر رہے ہیں اور اس کے طیارے فضاؤں میں گردش کر رہے ہیں اور ان کے ٹینک صحراؤں میں گھوم رہے ہیں تو کیا یہ مسلمانوں کی موجودہ حالت دیکھ کر واپس جائیں گے حالانکہ ان کے مکر وفریب سے ایک لمحہ برابر بھی بے خوفی محسوس نہیں ہوتی بلکہ یہ مسلمانوں پر ذلتیں رسوائیاں مسلط کرنے میں کوئی دقیقہ بھی ضائع کرنے کو تیار نہیں ہیں خاص طور پر جبکہ ان کی پشت پر ایک یہودی حکومت جس کو عرف عام میں قابض ڈکٹیٹر حکومت کہا جاتا ہے مگر انتہائی افسوس ہے کہ ان حالات کو دیکھنے کے باوجود بھی لوگ مخالفت کریں تو اس کا کیا علاج ہونا چاہیے؟ ہمیں اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ آج مسلمانوں پر جو ان کے دشمنوں کو زبردستی مسلط کر دیا گیا ہے ان کے شہروں میں جو تفرقہ بازی عام کر دی گئی ہے اور ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں اس سے وہ رب کی شریعت سے محروم ہو چکے ہیں تو اس کا سبب ان کے گناہ اور ان کے اعمال ہیں مگر ان کے لئے علاج تجویز کرنے والے اس بات سے آگے نہیں بڑھتے کہ اصل مرض کیا ہے صرف وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا سبب مسلمانوں کے گناہ ہیں مثلاً سود، زنا، بے پردگی ،شراب نوشی ،موسیقی ،وغیرہ مگر کسی کے دل میں ذرہ برابر یہ خیال نہیں آتا کہ ان گناہوں سے بھی خطرناک چیز ہے جو ان تمام پریشانیوں کا اصلی سبب ہے اور وہ ترک جہاد ہے انتہائی افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بہت سے لوگ ترک جہاد کو مشکلات و پریشانیوں کا سبب نہیں سمجھتے مگر بہت سے لوگ ان تمام پریشانیوں کا حل جہاد فی سبیل اللہ ہی میں تلاش کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ، اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (توبۃ:38-39)

”اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تم کو کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین

پر بوجھل ہوجاتے ہو کیا تم نے حیات دنیا کو حیات آخرت کے مقابلے میں پسند کرلیا ہے پس حیاتِ دنیا حیاتِ آخرت کے مقابلے میں تھوڑی ہے اگر تم نہ نکلے تو وہ تم کو المناک عذاب دے گا تم اس کو کچھ تکلیف نہ دے سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

امام ابن العربی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت میں دو مسئلے بیان ہوئے ہیں:

پہلا مسئلہ: اس میں شدید ڈانٹ اور سخت وعید ان کے لئے بیان ہوئی ہے جو جہاد کے لئے نہیں نکلتے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب امر ایسے واقع ہو کہ اس کا اقتضاء زیادہ نہ ہو تو صرف امر مراد ہوگا اس کے ترک پر عذاب کا حکم نہیں لگایا جائے گا ایسی صورت میں عذاب کا حکم جب لگے گا جب کہ اس پر عذاب خبر کی صورت میں بیان کیا گیا ہو جیسا کہ کوئی کہے **ان لم تفعل کذا عذبتک** اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو میں سزا دوں گا جیسا کہ آیت میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے لہٰذا جہاد کے لئے نکلنا اس آیت سے واجب ٹھہرتا ہے تاکہ کفار سے لڑا جائے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

دوسرا مسئلہ: عذاب کی وہ نوعیت بیان ہوئی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا عذاب سے مراد بارش کا رکنا ہے اگر ان کا قول صحیح ہے تو وہ زیادہ جانتے ہیں کہ انہوں نے یہ قول کہاں سے لیا ہے ورنہ عذاب الیم دنیا میں یہ ہے کہ دشمن ان پر غالب آجائے گا اور آخرت میں جہنم ہے اور مزید یہ کہ تمہارے علاوہ لوگ تمہارے بدلے آجائیں گے جیسا اللہ نے بھی کہا ہے: ''**وان تتولوا**'' اگر تم منہ پھیرو گے تو تمہارے بدلے دوسری قوم آجائے گی۔(احکام القرآن:286/6)

علامہ طاہر بن عاشور رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دنیاوی سزائیں ایسی مصیبت ہے کہ جس سے کامیابی کے ذرائع مہمل ہوجاتے ہیں خاص کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھانا جیسا کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احد والے دن نقصان ہوا تھا۔اس کا مقصد ان کو خبر دار کرنا تھا کہ اگر یہ لوگ دشمن سے جنگ کے لئے نہیں نکلیں گے تو دشمن ان پر حملہ کر کے ان کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔اور اللہ تعالیٰ ان کی جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا۔(التحریر والتنویر:301/4)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس عذاب الیم کا ذکر کیا ہے اور اس بات کا ذکر حدیث میں بھی ہے کہ

قومیں ہم پر حملہ آور ہوں گی اور ایک دوسری کو اس طرح ہمارے خلاف اکھٹی کریں گی جس طرح کھانے کے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ آج یہی حال ہے کہ جہاد ترک کر دیا گیا ہے دشمن کو چھوڑ دیا گیا ہے اور قوم سستی اور بے توجہی کی طرف مائل ہے اور آرام اور سکون پر قناعت کر چکی ہے۔ دنیا میں مشغول ہو گئی ہے اور دنیا کو اپنا سب سے بڑا مقصد بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا مگر یہ خود اپنے پر ظلم کرتے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم عینہ بیع کرنے لگو اور گائے کی دم پکڑ لو گے اور زراعت پر خوش ہو جاؤ گے جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا جو تم سے دور نہیں ہو گی جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ''۔ (ابو داؤد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قریب ہے قومیں تمہارے خلاف ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جیسے کھانے کی دعوت دی جاتی ہے تو کسی نے پوچھا کیا ہم اس دن تھوڑے ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا: تم بہت زیادہ ہو گے لیکن پانی پر آنے والے کوڑا کرکٹ کی طرح ہو گے اللہ دشمن کے دل سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں الوہن پیدا کر دے گا تو کسی نے پوچھا الوہن کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت کی کراہیت۔ (ابو داؤد ، البھیقی فی شعب الایمان)

ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے تو اللہ ان میں عذاب عام کر دیتا ہے''۔ (طبرانی وحسنه الالبانی)

جب امت دنیا کو ترجیح دینے لگے اور اسے دین سے زیادہ اہم سمجھنے لگے اور تمام توجہ حصول دنیا پر لگا دے تو یہ اللہ کے عذاب و ناراضگی کا سبب ہے اور جو لوگ جہاد کو تمام چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور جہاد پر معاونت کرتے ہیں تو یہ اللہ اور اس کے رسول اور شریعت سے محبت کی سب سے بڑی اور واضح دلیل ہے آپ نے آیات کو پڑھ کر اندازہ لگایا ہو گا کہ جب اللہ نے جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا تو زمین پر بوجھل بننے اور دنیا کو جہاد پر ترجیح دینے سے اللہ نے متنبہ فرمایا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ دو ہی باتیں ہیں یا

تو جہاد، ایثار، قربانی اور اللہ سے جو بیعت کی ہے اس کی وفاداری ہے یا پھر اس کے علاوہ دھوکہ، رسوائی، بخیلی، بزدلی جس کے نتیجے میں عذاب ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ٍاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (توبة:24)

''کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ، بھائی، بیویاں، خاندان، اور وہ مال جسے تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کے نقصان پر تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہو گئے تو تم انتظار کرو یہاں تک اللہ لے آئے اپنا حکم اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا''۔

علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ دنیا میں ان تمام چیزوں سے ایک فاصلہ پر رہنا ضروری ہے جو دین میں نقصان کا ذریعہ بنتی ہیں تاکہ دین محفوظ رہے اور یہ بات بھی بتائی گئی ہے دنیاوی مفادات کو ترجیح دینا عذاب کے آنے کا سبب ہے اور اس میں یہ بات بھی واضح ہوئی جب دنیاوی اور دینی مفادات کا ٹکراؤ ہو تو دینی مصالح کو ترجیح دینا مسلمانوں پر واجب ہے''۔(لباب التاویل فی معانی التنزیل : 242/3)

تو جو شخص امت کی بیماریاں بتائے اور جہاد کو ہماری بیماری کا سبب نہ بتائے اور جہاد کی اہمیت کو کم کرے تو ایسے شخص کی مثال یوں ہے جیسے ایک شخص انتہائی پیاس کے عالم میں جا رہا ہے انتہائی شدید گرمی کا موسم ہے سورج آگ برسا رہا ہے پانی اس سے چند قدم کے فاصلے پر ہے مگر اس میں اس تک پہنچنے کی استطاعت نہیں سوائے اس کے کہ کوئی سہارا دے کر لے جائے ایسے میں کوئی شخص اسے آ کر یہ نصیحت شروع کر دے کہ تمہیں یہ پیاس اس وجہ سے لگی ہے کہ تم نے سایہ چھوڑ کر اس سورج کی دھوپ میں چلنا شروع کر دیا اب نصیحت کرنے والے کی یہ بات اس حد تک تو صحیح ہے کہ پیاس کے اسباب میں سے

ایک سبب سورج اوراس کی حدت بھی ہے مگر یہ کہنا کہ اگراور کسی ٹھنڈی جگہ چلا جاتا تو اس کی پیاس زائل ہو جاتی تو یہ غلط ہے حالانکہ کوئی عقل مند انسان کسی کو اس حالت میں دیکھ کر فوراً پانی کی طرف رہنمائی کرتا تاکہ اس کی پیاس بجھ جائے اس کے بعد وہ نصیحت کرتا کہ وہ کس طرح باقی پیاس کے اسباب سے بچے۔

آج امت کا جہاد کے ساتھ یہی حال ہے حالانکہ امت کو زبوں حالی سے بچانے کا واحد راستہ جہاد کا راستہ ہے اگر ہم نے اس کو ترک کر دیا تو ہم اپنے مقاصد کے حصول سے انتہائی دور ہو جائیں گے کیونکہ ہماری ذمہ داری میں دین کی اقامت شامل ہے اور یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ معاشرہ سے ہر قسم کے شرک کا خاتمہ کیا جائے خاص طور پر شرکیہ نظام کا اور معاشرہ سے ایسے تمام طواغیت کا خاتمہ کیا جائے جو ہمارے اور رب کی عبادت میں حائل ہوتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کردی ہے کہ تمام مصائب خواہ وہ ہماری جانوں میں ہوں یا اہل وعیال میں یا مالوں میں ان کی اصل وجہ ہماری معصیت اور بداعمالیاں ہیں جیسا کہ فرمایا:

وَ مَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ یَعۡفُوۡ عَنۡ کَثِیۡرٍ.

(شوریٰ:30)

''تمہیں جو مصیبت پہنچنے والی پہنچتی ہے تو جو تمہارے ہاتھ نے کمایا اور وہ درگزر کر دیتا ہے بہت سے کاموں سے''۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اے لوگو تمہیں دنیا میں جو مصیبت پہنچتی ہے چاہے تمہاری جانوں میں یا مالوں میں تو اس وجہ سے کہ تمہارے ہاتھوں نے جو کمایا یعنی وہ اللہ کی طرف سے تمہارے اعمال کی سزا ہے اور اللہ تمہارے بہت سے جرائم سے درگزر فرما دیتا ہے اور اس کی سزا نہیں دیتا''۔(تفسیر طبری : 538/12)

یہ ایک عام قضیہ اور حقیقت مسلمہ ہے مگر جہاد ایسی عبادت ہے جس کے ترک پر فوراً اللہ کی طرف سے سزا ملنا شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ بہت ساری آیات واحادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ ہم لوگوں کو یہ بتائیں کہ ترک جہاد پر توبہ واستغفار سے معافی مل جاتی ہے جس طرح

باقی گناہوں کی معافی توبہ سے مل جاتی ہے اور اس مسئلہ کو دیگر جرائم سے خلط ملط کر دیا گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ جہاد چھوڑنے پر اس کی سزا ذلت کی صورت میں شروع ہو جاتی ہے اس کا واحد حل جہاد کی طرف لوٹنا ہے نہ کہ زبانی توبہ کرنا۔جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا وَّ يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَ لَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡئًا وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ.(توبة:39)

اگر تم جہاد کو نہ نکلے تو اللہ تم کو المناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم ترک جہاد کے علاوہ باقی گناہوں کو کم اہمیت دیتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ شریعت ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے اور وہ ایک جسم کی مانند ہے جس کی قوت ایک دوسرے سے مل کر بڑھتی اور کمزور ہوتی ہے اور ہم پر اللہ کی رحمتیں اور مدد اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کرنے پر نازل ہوں گی اور پھر اللہ ہماری طرف سے ہمارا دفاع بھی کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَ يُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ.(محمد:7)

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور ثابت قدمی عطا کرے گا"۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوۡرٍ.(حج:38)

"بے شک اللہ دفاع کرتا ہے مومنین کی طرف سے بے شک اللہ بہت زیادہ خائن اور انکاری کو ناپسند کرتا ہے"۔

قرآن مجید میں جہاد کی اجازت والی آیت اس آیت کے بعد مذکور ہوئی ہے شاید واللہ اعلم اس میں یہ حکمت ہو کہ اللہ کی طرف سے مومنین کی مدافعت جہاد سے ساقط ہو جاتی ہے یعنی جہاد تمام مسلمانوں کی

تکلیفوں مشکلات سے نکلنے کا سبب ہے لہٰذا اب وہ خود اپنا دفاع جہاد سے کر سکتے ہیں تو اس آیت میں اللہ پر توکل کا بھی بیان ہے اور اسباب کو استعمال کرنے کا جواز بھی ہے جیسا کہ فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ. (حج:39)

''اجازت دے دی گئی ہے ان لوگوں کو جن پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے''۔

سید قطب رحمہ اللہ نے بھی اس کی بہترین تفسیر بیان کی ہے جس کا مجھے بعد میں علم ہوا چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''جب اللہ نے مومنین کے دفاع کی ذمہ داری لے لی تو وہ دشمن سے حتمی طور پر محفوظ ہو گئے پھر ان کو قتال کی کیوں اجازت دی اور جہاد کیوں فرض کیا جس میں قتل بھی ہوتے ہیں زخمی بھی اور بڑی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں قربانی دینی پڑتی ہیں جبکہ وہ تمام فوائد و نتائج انہیں بغیر قتال کے حاصل ہو رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی حکمت بالغہ یہ ہے کہ جو ہمیں اپنی سوچ و فکر سے حاصل ہوئی ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ اس دین کے حاملین سست و کمزور نہ ہوں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اللہ کی مدد کا انتظار کرتے رہیں اور وہ انہیں بغیر محنت کے حاصل ہوتی رہے اور وہ صرف نماز پڑھتے رہیں یا زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے رہیں اور زیادہ یہ کہ جب کوئی مصیبت آجائے یا دشمن حملہ آور ہو جائے تو اللہ سے دعائیں مانگتے رہیں اگر نماز پڑھنا تلاوت کرنا دعائیں مانگنا بھی ضروری ہے لیکن یہ صرف عبادات انہیں دین قائم کرنے کا اہل نہیں بناتی ہیں یہ تو زاد راہ کی حیثیت رکھتی ہیں مگر وہ اسلحہ جس سے دشمن کے خلاف معرکہ میں کام لیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ دشمن کے مقابلے کیلئے وہی ہتھیار استعمال کریں جو وہ آپ کے خلاف استعمال کر رہا ہے اور اضافی قوت کے طور پر تقویٰ، ایمان اور اللہ پر مکمل اعتماد کا ہتھیار استعمال کریں تو پھر اللہ کی مشیت بھی یہی ہے کہ اللہ ان مومنین کا دفاع کرے گا جو ان طریقوں پر چلیں گے''۔(فی ظلال القرآن : 199/5)

میں تمام مجاہدین کو نصیحت کرتا ہوں بلکہ تمام مسلمانوں کو کہ وہ سید قطب رحمہ اللہ کی تحریروں کی طرف رجوع کریں کیونکہ ان کی تحریر میں ایسے موتی اور خزانے ہیں جو ہر شخص کی ضرورت ہے۔ اس کی نظیر سورۃ انفال

میں موجود ہے کہ اللہ نے مومنین کو دشمن کے خلاف قوت میں تیاری کا حکم دیا اس سے قبل آیت یوں ہے:

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ. (انفال:59)

''اور نہ خیال کریں کفار جو سبقت لے گئے ہیں کہ وہ عاجز نہیں کیے جائیں گے''۔

تا کہ وہ ان اسباب کو حاصل کرنے میں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے کوئی کسر نہ چھوڑیں اور صرف اس بات پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہمیں اللہ کی اس بات کی قدرت کا علم ہے کہ وہ کفار سے انتقام لینے پر قادر ہے۔

علامہ الطاہر بن عاشور رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس لئے کہ اللہ کا یہ فرمان ''وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا '' کفار کی کمزوری کی نشان دہی کر رہا ہے اس کے بعد اللہ نے ان کے خلاف تیاری کا حکم دیا تا کہ مسلمان یہ نہ سمجھ لیں کہ مشرکین تو ہمارے سامنے مغلوب ہو چکے ہیں اس طرح ہمیں پتہ چلا کہ دشمن کے مقابلے میں تیاری کرنا یہ ایک سبب ہے جس کی وجہ سے دشمن اللہ اور اس کے رسول کو عاجز نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ نے مومنین کو ظاہر اور باطنی طور دونوں اسباب مہیا کر دیئے۔(التحریر و التنویر:183/6)

غور کرو کہ ترشید نے کس طرح جہاد کے مجرم حکام کے خلاف لڑنے کو (الصدام مع السلطات الحاکمہ) کا نام دیا اور یہ کہ وہ یہ سب جہاد کے نام پر کرتے رہے ہیں اور کہا ((بعض اسلامی جماعتوں نے اس چیز میں عافیت جانی کہ ان حکومتوں یا ان کی پشت پناہ بڑی حکومتوں سے اور ان کی رعایا کے خلاف تصادم جہاد کے نام پر اختیار کیا جائے اور لوگوں کو یہ تاثر دیا جائے کہ یہ ہم اسلام کی سربلندی کے لئے کر رہے ہیں اور تصادم پھیل گیا)) سمجھ نہیں آتی کہ مصنف لفظ جہاد سے کیوں راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے کہیں اس کو ڈکٹیٹر حکومت کی طرف سے یا خاص جگہ سے ڈکٹیشن تو نہیں مل رہی ہے کہ وہ مجاہدین سے شرعی اصطلاحات علیحدہ کرنے کی کوشش کریں کیونکہ ان اصطلاحات کا لوگوں کے دلوں میں ایک خاص اثر پڑتا ہے جیسا کہ لفظ جہاد، لفظ احلال جیسے الفاظ ان کی بجائے ''الصدام'' لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا ان کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ان کے نزدیک یہ لفظ زیادہ مناسب قرار پایا ہے۔

مرشد اپنے ''وثیقہ'' میں لکھتا ہے کہ ''تصادم اور ٹکراؤ مختلف شہروں میں پھیل گیا اور اس میں شریعت کے

خلاف کتنے ہی سارے امور شامل ہو گئے مثال کے طور پر جنس کی بنیاد پر قتل، رنگ کی وجہ سے قتل، بالوں کا رنگ دیکھ کر قتل، مذہب کی بنیاد پر قتل اور کئی ایسے مسلمانوں کا قتل جن کا قتل جائز نہیں تھا اور کئی غیر مسلموں کا قتل وغیرہ اور قتل کے دائرہ کار کو وسیع کرنے اور معصوم لوگوں کے مال کو ناجائز طریقے سے حلال بنانے کے لئے اور مملکت میں تخریب کاری پھیلانے کے لئے کسی مسئلہ کو آڑ بنا کر اس سے غلط استدلال کیا گیا ہے اور وہ تمام کام کئے گئے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب تھے جیسا کہ خون بہانا لوگوں کے مال کو ضائع کرنا وغیرہ اور ان کے تدارک کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا چانچہ یہی دنیا اور آخرت کی رسوائی کا سبب بن گیا۔(انتہی)

''وثیقہ'' کی اس عبارت کو جس میں یہ تہمتیں باندھی گئی ہیں جو بھی پڑھے گا وہ اس چیز کی حقیقت سے انکار نہیں کرے گا کہ یہ جماعت اور اس کے اصحاب مجرمین قاتلوں چوروں اور مفسدین کی ایک جماعت تھی جو حرمت وحلت کا خیال نہیں رکھتی تھی اور نہ حدوں کی حفاظت کرتی تھی اور نہ کسی رکاوٹ کا خیال کرتی تھی تو ان کا قرآن کی آیت کے مصداق اور کیا حکم ہو سکتا ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ.(مائدۃ:33)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی دیدی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں ایک دوسرے سے خلاف کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے''۔

مرشد کہتا ہے کہ:''و انتشرت الصدامات'' تصادم بڑھ گیا'' یعنی وہ قابض ڈکٹیٹر حکومت کے خلاف جدوجہد کو جہاد کہنے کو تیار نہیں حالانکہ انہوں نے خود یہ کہا کہ اس تصادم میں کچھ غیر شرعی امور بھی شامل

ہوگئے اس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انہیں تصادم پر اعتراض نہیں بلکہ غیر شرعی امور کے شامل ہونے پر اعتراض ہے ڈکٹیٹروں کے خلاف تصادم غیر شرعی امر نہیں ہے تو ان کا شرعی نام جہاد کیوں نہیں استعمال کیا تا کہ لوگ اس پر اعتماد کرتے اور اس میں اپنا حصہ ملاتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس قلم سے یہ سب لکھا گیا ہے وہ قلم شرعی اصطلاحات سے ناواقف ہے اور صاحب قلم کا نفس بھی شرعی اصطلاحات سے ناواقف ہے کیونکہ برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی اس سے گرتا ہے۔ رہی بات ان تہمتوں کی جن سے صاحب ال ''وثیقہ'' والوں نے اوراق کالے کردیئے تو ان تہمتوں کے سب سے زیادہ یہ خود مستحق قرار پاتے ہیں اور یہ بات کسی دلیل کی محتاج بھی نہیں ہے کیوں کہ یہ ایسی حقیقت ہے جو روز روشن کی طرح عیاں ہے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کاش اس بات کی وضاحت کردی ہوتی کہ وہ لوگ جنسیات کی بنیاد پر قتل کرتے تھے حالانکہ اسلامی نظریات رکھنے والے لوگ تو انسانی جان کا احترام، توقیر کرتے ہیں اور اس کے خون بہانے کو مکمل طور پر حرام سمجھتے ہیں تو شاید صاحب ''وثیقہ'' یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ مجاہدین ان لوگوں کو قتل کرتے رہے ہیں جن کا تعلق معروف مذاہب سے تھا مثلاً حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہم حالانکہ یہ بات ہر لحاظ سے غلط ہے کہ مجاہدین مسلمانوں کا مذہب معروفہ کی بنیاد پر قتل جائز سمجھتے تھے اگر صاحب ''وثیقہ'' کا مقصد یہی تاثر دینا نہ ہوتا تو وہ اپنی اس بات کو واضح کر کے بیان کرتا لیکن چونکہ اس کا مقصد صرف مجاہدین کو بدنام کرنا تھا لہٰذا بات بھی مبہم رکھی۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے یہ کہا کہ ''یہ لوگ انہیں بھی قتل کرنا جائز سمجھتے تھے جن کا قتل ناجائز تھا چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اور یہ لوگوں کے مال کو لوٹنے کیلئے غلط استدلال کرتے تھے وغیرہ'' حالانکہ یہ سب باطل تہمتیں جو انہوں نے خود تراشی ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس کے جواب میں ہم صرف یہی کہتے ہیں ''**ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین** '' اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ کسی بات کو دلیل سے بیان کرنا اور ہے اور بلا دلیل صفحات کالے کرنا آسان ہے۔

مرشد کہتا ہے: ''اس ''وثیقہ'' کو پڑھنے والے جب ان مجاہدین کی غیر شرعی حرکتوں کو دیکھ کر اپنی عدم رضامندی کا اظہار کرتے ہیں تو پھر اس ''وثیقہ'' کی طرف توجہ کرتے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ

ان کی غلطیوں کے نتائج اچھے نہیں ہیں اور ''وثیقہ'' میں بیان کردہ ضوابط کو وہ اپنے لئے اہم قرار دیتے ہیں اور غیر مسلموں کے لئے بیان کئے گئے اصولوں کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں اگر ہم نے ان اصولوں کی پابندی نہ کی تو ہم بھی ان غیر شرعی باتوں میں لگ جائیں گے جس میں یہ مجاہدین لگ چکے ہیں جن کے پاس نہ دین ہے اور نہ دنیا''

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے بقول لوگ ان کی غیر شرعی حرکتوں سے اتفاق نہیں کرتے تو پہلے آپ ان کی غیر شرعی غلطیاں ثابت کریں آیا یہ غلطیاں ان میں واقعتاً موجود بھی تھیں یا محض ان پر الزام تراشی ہے اور یہ کہنا کہ انہوں نے نہ دین قائم کیا نہ دنیا باقی رہی یہ صرف نوجوان نسل کو گمراہ کرنے کا ایک حیلہ ہے اور یہ کہنا کہ ترشید میں اصول ضابطے بیان کئے گئے ہیں جبکہ ان کی حیثیت دھوکہ بازی کے سوا کچھ بھی نہیں تاکہ جہاد اور مجاہدین ختم ہو جائیں اور وہ لوگ جو حقیقت میں سرکش اور جرائم پیشہ لوگ ہیں باقی رہیں تاکہ وہ کھل کر معاشرہ میں فساد پھیلا سکیں اور ترشید انہیں اس لئے سہارا فراہم کر رہا ہے تاکہ اپنی من مانیاں کرتے رہیں اور انہیں کوئی روکنے والا نہ ہو اللہ نے سچ کہا:

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ قَالُوۡآ اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ،اَلَآ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَ لٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ. (بقرة:12)

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ فساد فی الارض نہ کرو تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرتے ہیں خبردار یہی لوگ فسادی ہیں مگر یہ شعور نہیں رکھتے''۔

اللہ کی قسم اگر آج جہاد نہ ہو رہا ہوتا اور نہ مجاہدین ہوتے جنہوں نے دین کی خاطر اپنا خون بہا دیا ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں تو یہ ''وثیقہ'' نامی کتاب وجود میں نہ آتی اور نہ ہی انہیں ان میں امت کی خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا نہ ان کی نصیحت کی باتیں سامنے آتی، یہ ساری تکلیف انہیں جہاد سے پیدا ہو رہی ہے ۔ جسے روکنے کے لئے انہوں نے اپنے تمام وسائل خیر خواہی کے نام پر ضائع کرنا شروع کر دیئے۔ قوم کی یہ اجتماعی قبریں جس کے داخلی وخارجی راستے کئی سالوں سے مسدود ہو چکے تھے لوگ تاریکیوں میں زندگی گزار رہے تھے ان کی نمازیں زندگی سے عاری تھیں اس وقت جب پورا معاشرہ قبر کی تاریکیوں

میں پہنچ چکا تھا نہ کسی کو ترشید کا خیال آیا مگر جب فرعون اور اس کے لشکر کو اپنا اقتدار جاتا نظر آیا تو پھر اسے بچانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے جیسا کہ انہوں نے مجاہدین کے خلاف شروع کر دیا مگر جب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی مجرمانہ سیاست مجاہدین کو نقصان نہیں پہنچا سکتی تو انہوں نے اپنی اجتماعی قبر سے اس صاحب ''وثیقہ'' کے ذریعے الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔

اگر مجاہدین کی کاوشوں کا نتیجہ مسلمانوں کی غلامی میں توسیع کی صورت میں نکلتا پھر تو بات بنتی تھی مگر معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ مجاہدین کے جہاد اور صبر سے بفضل اللہ نتیجہ لوگوں کے خیال سے بھی بڑھ کر حاصل ہوا ہے اور اس حقیقت کا دشمنوں نے بھی نہ چاہتے ہوئے اعتراف کیا ہے اور یہ حقیقت صرف ان لوگوں سے اوجھل رہی جو اقامت دین کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور جن کا رویہ معاندانہ ہے اسی قسم کے لوگ دینی معاملات میں دھوکہ دہی کا ذریعہ بنتے ہیں مجاہدین نے جو اقامت دین کا فریضہ ادا کیا ہے اس کی تفصیل کا اگر چہ یہ موقع نہیں ہے مختصراً یوں کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اس آیت کا مصداق ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ.

(انفال:24)

''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کرو جب وہ تمہیں دعوت دیں اس لئے کہ وہ تمہیں حیات نو عطا فرماتے ہیں''۔

جیسا کہ بعض سلف نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہیں جنگ کے لئے بلائیں جس میں تمہارے لئے ذلت سے عزت کی طرف جانے کا راستہ ہے اور کمزوری سے طاقت کی طرف اور اس سے اللہ تمہیں دشمن کے قہر سے حفاظت عطا فرماتا ہے۔(تفسیر طبری:465/13)

مگر ان چند خدمات کا ذکر مناسب ہے جو مجاہدین نے بطور اقامت دین انجام دیں اور دین کو زندہ کر دیا جسے اہل مشرق اور اہل مغرب نے لوگوں کے دلوں سے نکال دیا تھا سوائے ان چند لوگوں کے جن پر اللہ کی رحمت ہوئی وہ خدمات درج ذیل ہیں:

اول: فریضۂ جہاد قولاً، عملاً زندہ کیا اور لوگوں کو اس کی حقیقت سمجھائی اور یہ بات واضح کی کہ امت مسلمہ ظالموں، سرکشوں سے اور ان کے احکامات سے صرف جہاد ہی کے ذریعے نجات پا سکتے ہیں انہوں نے اس حق پر مبنی پیغام کو لوگوں تک پہنچایا اگر چہ ناقص صورت میں کیونکہ معاملہ آسان نہیں تھا بلکہ اس کی راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں جس کا علم صرف اللہ کو ہے مگر آج اللہ کے فضل اور مجاہدین کی قربانیوں کی بدولت جہاد کے احکام جو دفن کر دیئے گئے تھے لوگوں کے سامنے آ چکے ہیں فتاویٰ، بحث ،تقریر، مناظرہ کی صورت میں اور آج جبکہ یہ اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہے تو یہ صاحب ''وثیقہ'' کسی بھی لحاظ سے اس کا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

ثانی: دوسری خدمت جو مجاہدین نے سرانجام دی وہ یہ ہے کہ انہوں نے طاغوت مجرمین کو رسوا کر کے رکھ دیا اور وہ جو لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے کھول کر رکھ دیا اور ان کی اسلام دشمنی اور کفار سے دوستی جیسی حرکات لوگوں کے سامنے واضح کی ہیں اور لوگوں میں یہ احساس پیدا کیا ہے کہ جس طرح باقی کفار کے خلاف جہاد ضروری ہے ان کے خلاف بھی ضروری ہے اور یہ کہ ان کی ہم وطن ہم قوم اور ہم نام ہونے کے باوجود قوم کے خیر خواہ نہیں ہیں چنانچہ ہر انصاف کرنے والا سمجھ لیتا ہے کہ ان حکام اور لوگوں میں بڑی دوریاں پیدا ہو چکی ہیں کیونکہ انہوں نے قوم کو رسوا کرنے اور شکست سے دوچار کرنے کو مدد وفتح کا نام دے دیا ہے اور یہ قوم سے انتقام لینے پر تلے ہوئے ہیں قوم سے ان کی دوری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ قوم ان کی کرپشن، جھوٹ، دھوکہ دہی، جھوٹے وعدے اور اسلام دشمنی سے واقف ہو چکی ہے ۔یہ تبدیلی زندگی کے مختلف شعبوں میں آ چکی ہے اگر چہ اس کا تناسب ہر ملک میں جدا جدا ہے بلکہ ایک ملک میں بھی مختلف تناسب ہے مگر یہ تبدیلی عام ہو چکی ہے چنانچہ طاغوت کو حقیقی خطرہ نظر آنے لگا ہے جو ان کو خوفزدہ کر رہا ہے چنانچہ یہ ان کی عوامی مقبولیت کم ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ ان سے علیحدگی اور دوری اختیار کرنے لگے ہیں چنانچہ ان کے امریکی سرداران کا حقیقی متبادل تلاش کرنے لگے ہیں جن میں یہ دو باتیں جمع ہوں پہلی کہ قوم ان سے راضی ہو اور یہ ان کے مطالبات حقوق دیتے رہیں اور مغربی کفار کی آواز پر لبیک کہتے رہیں تاکہ وہ مسلمانوں کے قیمتی وسائل و معدنیات خصوصاً پٹرول وغیرہ اسی

طرح لوٹتے رہیں۔

ثالث: مجاہدین کی تیسری خدمت یہ ہے کہ انہوں نے الولاء والبراء (دوستی دشمنی) کا عقیدہ لوگوں میں راسخ کیا فریضہ جہاد سے اس عقیدہ کا سب سے زیادہ احیاء ہوا ہے کیونکہ یہ اسلامی عقائد میں اہم ترین عقیدہ بلکہ ایمان کی تکمیل کا باعث ہے اور اسی سے زمین پر تمکن حاصل ہوتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اللہ کیلئے محبت کی اور اللہ کیلئے غصہ کیا اللہ کے لئے دیا اور اللہ کے لئے منع کیا اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا'' (ابوداؤد، طبرانی وغیرھما عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ)۔

رابع: چوتھی صورت یہ ہے کہ انہوں نے مغربی کفار ممالک کی دعوت کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دی ہے کہ ان کی آزادی، مساوات مذہبی رواداری وغیرہ کی اصل حقیقت آشکارہ کی اور قرآن کی بیان کردہ رہنمائی بھی لوگوں کو بتائی جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ، ھٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّہٖ وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ، اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَۃٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ. (آل عمران:118-120)

''اے ایمان والو! تم ایمان والوں کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی دوست نہ بنانا وہ تمہاری تباہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے وہ چاہتے ہیں کہ تم تکلیف میں مبتلا ہو ان کی عداوت ان کی زبان سے بھی ظاہر ہوچکی ہے جو ان کے سینے میں پوشیدہ ہے وہ زیادہ ہے ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کردیں اگر تم عقل مند ہو۔ تم تو انہیں چاہتے ہو

لیکن وہ تم سے محبت نہیں رکھتے تم پوری کتاب کو مانتے ہو یہ تمہارے سامنے تو اپنے
ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں غصہ کی وجہ سے انگلیاں چباتے ہیں کہہ دو
اپنے غصہ میں مرجاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز بخوبی جانتا ہے اگر تمہیں بھلائی ملے تو یہ
ناخوش ہوتے ہیں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں تم اگر صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو
ان کا مکر تمہیں نقصان نہ دے گا اللہ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے''۔

انہوں نے اپنی بری زبانوں اور ہاتھوں کو پھیلا دیا اور ان کی حکومتوں نے بے وقوفوں کو دین اسلام سے استہزاء اور دھوکہ دینے کی سند عطاء کر دی اور اپنے طے کردہ بدترین اصول کے حصول کو مقصد بنالیا ان کی دھوکہ بازیاں بڑھ گئی تھیں اور لوگ اسلام کے بارے میں جو کہتے رہیں کوئی حکومت ان کو نہ روکتی تھی چاہے وہ اسلام کے کتنے مقدس اصول اور چیزوں کو پامال کر دیں یہ تو جہاد کی برکت سے اس چیز کا خاتمہ ممکن ہوا ہے یہ وہ حقیقت ہے جو لوگوں کو اب معلوم ہوئی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ پر ڈٹ جانا اور سبیل المومنین کو سبیل المجر مین سے ممتاز حیثیت میں بیان کرنا ہی امت کی کامیابی کی راہ ہے۔مجاہدین کی کاوشوں سے ہی یہ بات لوگوں کے سامنے واضح ہوئی کہ کفار اور دین دشمن لوگوں کی دشمنی نہ تو زمین کی وجہ سے ہے اور نہ مال اور سیاست کی وجہ سے ہے بلکہ ان کی دشمنی دین کی بناء پر ہے جس سے ان مجرمین نے لوگوں کو ایک زمانہ طویل سے غفلت اور دھوکہ میں رکھا کیونکہ وہ ان کی حقیقت کو نہ سمجھتے تھے بلکہ وہ اپنے جمہوری ڈیموکریسی نظام سے دھوکہ دیتے رہے جب ان طاغوتی قوتوں کو مکمل یقین ہو گیا کہ ہم نے ان لوگوں پر اپنی گرفت مضبوط کر لی ہے تو اپنے خودساختہ قوانین آہستہ آہستہ نافذ کرنا شروع کر دیئے اور ان کی آزادی فکر آہستہ آہستہ چھین لی پھر واضح طور پر اسلام دشمنی شروع کر دی اور ایسے قوانین لاگو کیئے جس کے ذریعے لوگوں کو اپنا قیدی بنالیا اور جو دعوت دینے والوں کو قید خانوں میں ڈال دیا ان کی یہ اسلام دشمنی ہر شخص کو سمجھ میں آگئی سوائے ان لوگوں کے جو انتہائی بے وقوف بے عقل ناسمجھ لوگ ہیں۔

خامس: پانچویں خدمت مجاہدین نے اپنے مضبوط عقیدے اور عمل سے بڑی بڑی سلطنتوں کے غرور

خاک میں ملا دیئے تب لوگوں کو پتہ لگا کہ یہ توریت کی دیوار تھی یہ امریکہ کل تک اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اہل مشرق اور اہل مغرب دم ہلاتے پھرتے تھے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ ایسی قوت ہے جس کو زیر نہیں کیا جا سکتا مگر اب جبکہ اس کے غبارے سے ہوا نکل گئی ہے اس کی معیشت بظاہر مضبوط ہے مگر اس کی حیثیت پانی کے بلبلے سے زیادہ نہیں یہی وجہ ہے کہ آج کمزور ممالک نے بھی امریکہ کو آنکھیں دکھانا شروع کر دی ہیں کل تک اس کی فوج دنیا کی طاقت ور ترین سمجھی جاتی تھی مگر آج وہ جن ممالک میں داخل ہوئی وہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرتی پھر رہی ہے مگر راستہ نہیں مل رہا مجاہدین کی کاوشوں سے آج امریکہ اور مغربی ممالک اس حالت کو پہنچے ہیں جہاں مجاہدین کی کاوشیں ہیں وہاں امریکہ اپنی حماقتوں کی وجہ سے خود بھی تباہی و بربادی کے گڑھے میں گر پڑا ہے اور اپنے پیروکاروں کو بھی تباہی کا حصہ دار بنا دیا ہے۔

سادس: چھٹی خدمت یہ ہے کہ مجاہدین نے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات پختہ کر دی ہے کہ ان کے پاس ایسی طاقت وقوت ہے جس کے سامنے کھڑے ہونے کی کسی میں جراءت نہیں ہے چاہے وہ بظاہر کتنا ہی مضبوط کیوں نہ نظر آ رہا ہو اور وہ ایمان کی اور یقین کی طاقت ہے اور یہ کہ اللہ ان کے ساتھ ہے کیونکہ تاریخ یہ ثابت کر چکی ہے کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتوں نے اپنے سے بڑی جماعتوں کو اپنے صبر اور ایمان کے ذریعے شکست سے دوچار کر دیا یہی چیز آج مجاہدین نے ثابت کر دی کہ میدان جہاد میں مدمقابل بڑی بڑی طاقتیں تھیں اور اس کے مقابلے میں مجاہدین کی تعداد بہت کم ہونے کے باوجود دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے اور میدان بدر کی یاد تازہ کر دی جس میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ یہ دین اللہ کا دین ہے اور اللہ کی مدد صرف مادی اسباب کے ساتھ ضروری نہیں ہے جیسا کہ فرمایا:

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ .(آل عمران :123)

”اللہ نے تمہاری بدر میں مدد کی جبکہ تم کمزور تھے اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر گزار بن سکو“۔

اللہ کے دین کے دشمن کل بھی مادی وسائل پر اعتماد کرتے تھے آج بھی اسی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگر مجاہدین کا اعتماد ایمان اور صبر پر رہا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں جو کہ ان نام نہاد سلطنتوں میں مفقود ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی تدبیر و توفیق سے ہی ممکن ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ.(انفال:8)

''تا کہ اللہ حق کو سچ ثابت کر دے اور باطل کو باطل ثابت کر دے اگر چہ مجرمین اس سے کراہیت کریں''۔

ساتویں: خدمت یہ ہے کہ انہوں نے جہاں کفار و مشرکین کو بدترین شکست سے دوچار کیا ساتھ ساتھ منافقین اور ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مختلف بیماریاں ہیں کو بھی ذلت و رسوائی سے دوچار کیا قرآن نے ایسے منافقین کی مختلف صفات بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں مجاہدین نے زندیقوں کے چہرے سے بھی نقاب اتار دی ہے جس سے وہ اب لوگوں کے سامنے بے نقاب ہو گئے ہیں وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں مصروف تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی بے نقاب ہو گئے جو سنی سنائی باتیں آگے نقل کر کے شبہات پیدا کر رہے تھے چنانچہ جہاد کی یہی تو خاصیت ہے کہ وہ منافقین اور مسلمانوں میں تمیز کرتا ہے جب جہاد کا علم بلند ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ کون لبیک کہتا ہے اور کون معذرتیں پیش کرتا ہے اور ایسی جگہوں میں پناہ تلاش کرتا ہے جہاں ان جیسے ہی لوگ ہوتے ہیں لہٰذا آج کے منافقین بھی قدیم منافقین کی زبان بول رہے ہیں جیسا کہ اللہ واضح فرماتا ہے:

وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا،وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا.(احزاب:13)

''اور جب منافقین کہہ رہے تھے اور وہ لوگ بھی جن کے دلوں میں مرض ہے ہم سے

اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا ہے وہ دھوکہ ہے اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا اے مدینہ والو تمہارے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے چلو واپس لوٹ جاؤ اور ان کی ایک جماعت اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے لیکن ان کا پختہ ارادہ بھاگنے کا تھا''۔

اور آج بھی آپ کو ایسے لوگ مل جائیں گے جو بظاہر تو نصیحت کرتے نظر آئیں گے مگر حقیقت میں وہ لوگوں کی ہمت توڑنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کہتے ہیں ''**لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ**. نہ نکلو گرمی میں (توبہ:81) ''ان کی عادتیں قرآن میں بیان کردہ منافقین کی عادات کے عین مطابق ہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

اَشِحَّةً عَلَیْکُمْ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ کَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْکُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَی الْخَیْرِ اُولٰٓئِکَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا۔ (احزاب:19)

''تمہاری مدد میں بخیل ہیں پھر جب خوف کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے باتیں بناتے ہیں مال کے بڑے ہی حریص ہیں یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں اللہ نے ان کے تمام اعمال نابود کردیئے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے''۔

آج بھی اسی قسم کے لوگ ظاہر ہو چکے ہیں اور لوگوں نے بھی ان کے خطرات محسوس کرنا شروع کردیئے ہیں اللہ ہم سب کو ان کے مکر و فریب تمام قسم کے شر و فساد اور گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ وہ چند خدمات ہیں جو مجاہدین نے انجام دی ہیں اور اسی سے دین کی اقامت اور مضبوطی ممکن ہے اگر یہ جہادی کوششیں

نہ ہوتی تو یہ سب ناممکن تھا اگر مسلمان ''وثیقۃ الترشید'' میں بیان کئے گئے قواعد وضوابط پر عمل کرنا شروع کر دیتے اور اپنے آپ کو اسی میں مقید کر لیتے اور جہاد کی بجائے اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے اور کمزور ثقافت کو جدید مفہوم دے کر اپنا لیتے تو اسلام پر ایسی مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جاتیں جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور پھر ''وثیقۃ الترشید'' لکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی اور نہ ہی اس کو پھیلانے کا کسی میں شوق پیدا ہوتا کیونکہ ایسی صورت میں یہ لوگ بڑے امن وامان سے رہ رہے ہوتے کیونکہ کوئی چیز ان کی زندگی میں رکاوٹ پیدا نہ کر رہی ہوتی اور نہ ان کے غاصبانہ حکومت کو ہلا رہا ہوتا لہٰذا انہیں جب کوئی پریشانی ہو رہی ہوتی تو ''وثیقۃ الترشید'' جیسی نشہ آور چیزوں کی ضرورت ہی نہ پڑتی مگر مجاہدین کی کوششوں نے امت میں برائیوں کے خلاف ہلچل مچا دی جس کی وجہ سے ان کی پریشانیاں بڑھ گئیں جس کی بناء پر یہ نشہ کرنا پڑا۔

اقامت دین کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک مکمل اسلامی ریاست قائم کر دی جائے اگرچہ یہ اقامت دین کا تتمہ کہلائے گا مگر اقامت دین کے لئے کی جانے والی کوشش اور ہر عمل جو اس مقصد کے لئے کیا جائے وہ اقامت دین کا ہی حصہ کہلائے گا بلکہ کسی بھی عمل کا احیاء جس کا تعلق شریعت سے ہو یا جس کا شریعت نے حکم دیا ہو اور جس کے کرنے پر اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہو وہ بھی اقامت دین میں شمار کیا جائے گا اسی وجہ سے اقامت دین کا سب سے عظیم کام توحید کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ تمام انبیاء ورسل کی یہی دعوت تھی جیسا کہ ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ. (شوریٰ:13)

''اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو بذریعہ وحی ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے

ابراہیم اور موسیٰ ،عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ تو مشرکین پر گراں گزرتی ہے اللہ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے''۔

علامہ السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ'' اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ ''یعنی تمہیں حکم دیا ہے کہ تم دین کے تمام احکامات اصول ،فروع قائم کرو اور اس کی اقامت کے لئے جدوجہد کرو اور نیکی تقویٰ کے کام پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ وزیادتی پر تعاون نہ کرو'' وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ''یعنی تاکہ تمہیں اصول دین اور اس کے فروع پر اتفاق حاصل ہو جائے اور مسائل میں تفرقہ بازی سے گریز کرو تاکہ تم ایک دوسرے کے دشمن نہ بن جاؤ اصل دین پر اتفاق کے بعد۔اور دین ہر اجتماع اور عدم تفریق کی مختلف قسمیں ہیں پہلی وہ جس کا شارع نے اجتماع کا حکم دیا جیسا کہ حج ،عیدین کے اجتماعات پانچ نمازوں کا اجتماع، جہاد کا اجتماع وغیرہ یہ وہ عبادات ہیں جن میں جمع ہوئے بغیر پوری نہیں ہوتی۔

(تفسیر السعدی:754/1)

قال المرشد صاحب ''وثیقہ'' کہتا ہے:''مخالفت کے مختلف درجات ہیں پس جو اپنی خواہش کو اپنے رب کے حکم پر مقدم کرلے چھوٹے معاملات میں تو ایسا شخص مرتکب صغیرہ (چھوٹے گناہوں کا مرتکب) کہلائے گا جن کو عصیان کہا جاتا ہے۔اور جو اپنی خواہش بڑے معاملات میں اپنے رب کے حکم پر مقدم کرے تو یہ مرتکب کبیرہ کہلائے گا جس کو (فسق) کہا جاتا ہے اور جو اپنی خواہش عظیم معاملات میں اپنے رب کے حکم پر مقدم کرے تو یہ کفر ہے''۔

اگرچہ یہ اجمالی کلام ہے اور اس میں تفصیل سے شرعی دلائل کی ضرورت ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ واقعی اللہ کے احکامات کی مخالفت کے مختلف درجات ہیں مگر یہ مجرم حکومتیں کس درجہ میں شامل ہیں جنہوں نے اللہ کی شریعت کی مخالفت میں حد کردی اجمالاً اور تفصیلاً بھی ۔جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان ڈکٹیٹر حکومتوں نے ''وثیقہ'' کو شائع صرف اس لئے کرایا تاکہ مجاہدین جو حق کی دعوت دیتے ہیں ان کو باندھا

جا سکے اور انہوں نے شریعت کے اصول ،فروع کو توڑا اور دین کی مدد کرنے والوں کو سزائیں دیں اور دعوت دین کی تمام راہیں بند کرنے کی کوشش کی اور اپنی خواہشات کو رب تعالیٰ کے احکامات پر مقدم سمجھتے ہوئے اس کی تکمیل کی تمام معاملات میں یہی طرز اپنایا خواہشات میں سیاست رائے میں غرض چھوٹے معاملات میں اور بڑے معاملات میں بھی رب کی نافرمانی کی تو ان کا یہ طرز عمل کیا انہیں کفر میں مبتلا نہیں کررہا اور اب یہ ڈکٹیٹر حکومت کہلانے کے ساتھ ساتھ کافر اور مرتد حکومت نہیں کہلائے گی؟؟ خاص طور پر جبکہ انہوں نے لوگوں کو غیر شرعی امور کی اطاعت پر مجبور کردیا ہے اور لوگوں کو غیر اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کردی ہے اور وہ دین جس کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں یہ ہیں ڈیموکریسی جمہوریت ،وطنیت ،قومیت ،لادینی سیکولر نظام جس نے بھی ان کی مخالفت کی کوشش کی ان کے خلاف جنگ شروع کردی اور جن لوگوں نے ان کی دعوت قبول نہ کی انہیں دھتکار دیا خاص طور پر مصری حکومت جو دراصل فرعون کے وارث ہیں اور انہوں نے ان ہی کے طرز و انداز کو اپنایا اور اس کو مضبوط کیا اور یہ کفر اور دین کے خلاف جنگ کرنے میں تمام حکومتوں سے آگے بڑھ گئی ہے اور اپنے احکامات کو اللہ کے احکامات پر ترجیح دینے ،شریعت محمدی کی مخالفت میں ،مومنین کو تکالیف پہنچانے میں سب سے آگے ہے صاحب ''وثیقہ'' نے جو شیخ الاسلام کے قول سے استشہاد کیا ہے وہ قول سب سے زیادہ مصری حکومت پر منطبق ہوتا ہے وہ یہ قول ہے ''یہ بات سب کو جان لینی چاہیے کہ اس پر مسلمانوں کے دین کا اور مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو دین اسلام کو چھوڑ کر اور دین اختیار کرتا ہے یا کوئی کسی کو دین اسلام چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے یا شریعت محمدیہ کو چھوڑ کر کسی اور کی اتباع کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور وہ اس طرح کافر ہے جیسے کوئی کتاب کے بعض حصے پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرے''۔(مجموع الفتاوی:524/28)

یہ مصری حکومت اور اس کے علاوہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنے والی حکومتیں مرشد کے اس قول کے بموجب کہ (شریعت کے مطابق فیصلے کرنا تمام مسلمانوں پر ایمان کے تقاضوں کے مطابق واجب ہے اس کے ترک پر گناہ گار ہے اور اس کا ایمان ختم ہوجاتا ہے ،لہٰذا یہ حکومت بھی گناہ گار ہے اور اس کا

ایمان ختم ہو چکا ہے۔اگر چہ صاحب ترشید اپنی دوسری کتاب ''الجامع فی طلب العلم الشریف''میں وہ یہ اقرار کر چکے ہیں کہ کسی ایک فیصلے میں بھی اللہ کے فیصلے کو چھوڑ کر غیر اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا کفر ہے۔ اس حکومت نے مکمل طور پر شریعت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات اپنی رائے۔اور کم عقلی کی اتباع کی اور لوگوں کو بھی اس بات پر مجبور کیا کہ وہ شریعت سے دور رہیں اور باطل نظام کی اتباع کریں اور اس حکومت کی فوج نے بھی حکومت کا اس معاملے میں مکمل ساتھ دیا ان کے نشر واشاعت کے اداروں نے اس چیز کو قابل تحسین قرار دیکر اس کی دعوت دینی شروع کر دی اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو ان کے سیکورٹی اداروں نے کچل دینے کی پالیسی اپنائی آج کوئی مسلمان کسی بھی ملک یا شہر میں جس کے بارے میں وہ گمان کرتا ہے کہ یہ اسلامی ملک ہے اپنے وہ حقوق حاصل نہیں کر سکتا جو اسے شریعت نے دیئے ہیں اور اگر ظلم ہو جائے تو شریعت کے مطابق انصاف کو سوچ بھی نہیں سکتا بلکہ اسے لوگوں کے خود ساختہ قوانین کا سامنا کرنا پڑتا ہے اب چاہے حقوق ملیں یا کچھ ملیں یا بالکل نہ مل سکیں یہ سب سے بڑا شر ہے اور بڑا فساد ہے اور یہی سب سے بڑی مصیبت ہے اور اس طاغوت حکومت،فوج،ان کے قوانین اور ان کے اداروں نے لوگوں کے دین اور دنیا کا بہت خوب نقصان کیا ہے اسی وجہ سے شیخ عبدالقادر نے خود یہ اقرار کیا ہے کہ زندہ طاغوت مردہ طاغوتوں سے زیادہ خطرناک ہیں اور مزید کہا میں نے جس بات پر تنبیہ کی ہے اس کی اہمیت یہ ہے کہ زندہ طاغوتوں کا فساد لوگوں کے دین کو برباد کر دے کبھی انہیں مرتد کر کے کبھی دین سے بے رغبت کر کے اور کبھی مکر اور دھوکے سے یہ وہ فساد ہے کہ مردہ طاغوت کے بارے میں یہ خطرہ نہیں ہوتا۔لوگوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہل علم و دین کہلواتے ہیں اور مذہب سلف کے اپنے آپ کو پیروکار سمجھتے ہیں اور اپنے قلم کو مردہ طاغوتوں کے خلاف لکھنے میں مصروف کر رکھا ہے مگر زندہ طاغوت کے بارے میں خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور آپ انہیں دیکھتے ہو کہ ایک طرف تو وہ مردہ طاغوت کے خلاف لکھنے میں مصروف ہیں دوسری طرف خود کفریہ جمہوری نظام اور قوانین کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس کافرانہ نظام سے تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں اس کی خرابیوں سے صرفِ نظر کیا ہوا ہے یہ عجیب دوہرا معیار ہے اللہ فرماتا ہے:

وَ اِذۡ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحۡدَی الطَّآئِفَتَیۡنِ اَنَّہَا لَکُمۡ وَ تَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَیۡرَ ذَاتِ الشَّوۡکَۃِ تَکُوۡنُ لَکُمۡ وَ یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّحِقَّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَ یَقۡطَعَ دَابِرَ الۡکٰفِرِیۡنَ.(انفال:7)

''اور (اے مسلمانوں! وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تم دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے لڑے تمہیں مل جائے اور اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ''

اس پر غور کرو تو بعض ان اسباب کے بارے میں ہمیں علم ہو جائے گا جن کی وجہ سے آج ہم تکلیف ومشقت میں مبتلا ہیں اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ آج ہمارا دین وعلم محفوظ ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی ہمارا دین محفوظ ہے مگر جو اس باطل نظام کو قبول کر چکا ہو اور اس پر راضی ہو تو اس کو کیا کہیں گے اور جو اس طاغوت پر شریعت کا اطلاق کرے اس کو کیا نام دیا جائے گا اگر کوئی جہاد کے بارے میں بات کرتا ہے تو یہ فلسطین اور افغانستان کے جہاد کی باتیں تو کرتے ہیں جبکہ مرتد حاکموں کے خلاف کیے جانے والا جہاد فلسطین اور افغان جہاد سے زیادہ واجب ہے کیونکہ یہود بھی دشمن ہیں اور یہ بھی دین کے دشمن ہیں جو مسلمان ممالک میں گھس آئے ہیں مگر مرتد حکام کے خلاف جہاد دو وجوہات کی بناء پر یہود کے خلاف جہاد سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ قریب ہیں اور مرتد ہیں اور یہ دو اسباب ایسے ہیں کہ پہلے ان کے خلاف جہاد کیا جائے جیسا کہ یہ بات بھی واضح ہے کہ جو افغانستان اور فلسطین میں جہاد کر رہے ہیں ان کو ہیرو اور شہید کہا جاتا ہے اور ان پر مال و دولت کی بارش کر دی جاتی ہے اور کوئی اگر ان کے علاوہ جگہوں پر جہاد کرے تو وہ مجرم اور غدار شریعت کا مخالف قرار دیا جاتا ہے۔(العمدۃ فی اعداد العدۃ : 354)

میں کہتا ہوں: بلکہ آج جو لوگ افغانستان اور فلسطین میں قتل ہو رہے ہیں وہ بھی شہید کا لقب نہیں پا رہے بلکہ انہیں مجرمین اور غداروں کے زمرہ میں شامل کیا جا رہا ہے اور انہیں شریعت کا مخالف قرار گردانا جاتا ہے وہ شریعت جس کو امریکا نے وضع کیا ہے اور جس کی وہ دعوت دے رہا ہے اور جس کی پشت پناہی

ڈکٹیٹر طاغوت عرب ممالک کررہے ہیں کتنی عاجزی کے دن آچکے ہیں؟

مرشد کہتا ہے کہ: ''یہ جلیل القدر مقام جہاد کا مقام ہے بے شک مسلمان کی اپنے رب کے لئے عبودیت محقق ہوتی ہے جب وہ اپنے رب کی مراد اپنی مراد پر مقدم کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ وہ مسلمان پہچان کرے ان واجبات کی جو اس پر اللہ نے اس وقت واجب کئے اور اپنی استطاعت کے مطابق تو وہ جتنا اس کے مطابق چلے گا اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا اور جس سے عاجز رہے گا اس کا گناہ اس سے ساقط رہے گا''۔

اس میں شک نہیں کہ آج مسلمان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ اللہ کے واجبات کی پہچان کرے مگر حکم جہاد کی پہچان کو نہ تو ہم نوافل قرار دے سکتے ہیں اور نہ اعمال کی تکمیل کا ذریعہ بلکہ اس کی حیثیت آج واجبات میں سب سے زیادہ واجب کی ہے کیونکہ اس زمانے میں جہاد فرض ہو چکا ہے جیسا کہ ساری امت کے تمام علماء نے یہی فتویٰ دیا ہے جہاد کی پہچان اور اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور حکم جہاد کی نشر و اشاعت اور اس کی لوگوں کو تاکید کرنا اس کو زندہ کرنے کا علماً وعملاً پہلا قدم ہے اور یہی اولی الالباب والنہی علماء صادقین کی اہم ترین ذمہ داری ہے جو اللہ کے پیغام کو پہنچا رہے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے اگرچہ یہ آسان معاملہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ معمولی کام ہے کیونکہ سب سے پہلے ان کا پالا ان کفر کے آئمہ اور مرتد حکام سے اور ان کے معانین سے پڑے گا اور ان کے اعصاب جتنے جہاد جیسی عبادت سے لرزتے ہیں اتنے کسی اور سے نہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جہاد سے سب سے پہلے ان کے اقتدار کا خاتمہ ہوگا پھر دوسروں کا ہوگا جیسا کہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے

''سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔'' (ابو داؤد ،ترمذی،ابن ماجہ)

بلکہ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جہاد میں جانے سے عذر پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لئے یہ شرط عائد کی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے نصیحت کرتے رہیں جس شخص پر جہاد بالنفس اور جہاد بالمال ساقط ہو جاتا ہے تو اس پر جہاد باللسان (زبانی جہاد) واجب رہتا ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا

یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.(توبۃ:91)

''کمزور بیماروں اوران لوگوں پر جوخرچ کرنے کے لئے مال نہیں پاتے کوئی حرج نہیں جب وہ اللہ اوراس کے رسول کے لئے نصیحت کرتے رہیں محسنین کے خلاف کوئی (عیب کی) راہ نہیں ہے اوراللہ غفوررحیم ہے''۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ'': نصیحت کی شرط اس لئے عائد کی گئی ہے کہ اگرکوئی فساد کی نیت سے پیچھے رہتا ہے تواس کی مذمت ہوجائے اور یہ نصیحت اللہ سے مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلائی گئی اور آپس میں اصلاح اوران تمام کاموں کی جس سے دین میں استقامت آتی ہے''۔(زادالمسیر:218/3)

علامہ السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''ان لوگوں پرکوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ اللہ اوراس کے رسول کے لئے نصیحت کرتے رہیں یعنی وہ اپنے ایمان میں سچے رہیں اورنیت یہ رکھیں اگر قدرت ہوئی تو جہاد ضرورکریں گے مگر جس چیز کی قدرت رکھتے ہیں یعنی لوگوں کو جہاد کی رغبت دلانا تو وہ کرتے رہیں گے''۔(تفسیر السعدی:347/1)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:''مشرکین کے خلاف اپنے مال، جان، زبانوں سے جہاد کرو''۔(احمد،ابو داؤد،نسائی،حاکم)

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنے قصیدہ نونیہ میں فرمایا:''یہ دین کی مدد کرنا فرض اور لازم ہے نہ کہ فرض کفایہ بلکہ تمام لوگوں پر ورنہ اگر عاجز آجائے تو زبان سے اور اگر اس سے بھی اماموں کو جہاد پر متوجہ کرے اور دل سے دعا کرے''۔

شیخ عبدالقادر بن عبدالعزیز نے اپنی کتاب العمدۃ میں ان لوگوں کے لئے جو جہاد میں جانے سے معذور ہیں ان کے لئے جہاد کی سات ممکنہ صورتیں بیان کی ہیں آخر میں انہوں نے فرمایا''ان صورتوں میں تم نے دیکھا کہ ان لوگوں کے لئے جو جہاد میں جانے سے معذور ہیں ایسی صورتیں ہیں جس سے جہاد کو فائدہ پہنچتا ہے مثلاً دعا کرنا، مال خرچ کرنا، لوگوں کو جہاد کی دعوت دینا اور مومنین کو قتال کی رغبت

دلانا، مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا، یہ تمام چیزیں واجب ہیں ان لوگوں پر جو عذر کی بناء پر جہاد میں جانے سے قاصر ہیں لہٰذا ان کے حرج کو مشروط اٹھالیا گیا جیسا کہ اللہ فرماتا ہے ''اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ '' جب وہ نصیحت کریں اللہ اور اس کے رسول کے لئے محسنین کے خلاف کوئی سبیل نہیں''۔

مسلمانوں پر آج سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی مراد پر اللہ کی مراد کو مقدم سمجھے وہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دلائے اور جہاد کی دعوت دے اور مجاہدین کے لئے دعا کرے اور جہاد کی ادائیگی کرے اپنے مال، زبان، اپنی جان کے ذریعے اپنی استطاعت کے مطابق اور اگر کوئی ایسا شخص ہے جس سے جہاد شرعی اسباب کی بناء پر ساقط ہو گیا ہے پھر بھی وہ جہاد کے میدانوں میں چلا جاتا ہے تو اس کو اس کی خلوص نیت پر اجر ضرور ملے گا اگر وہ مجاہدین پر بوجھ نہ بنے دین نے جس چیز کی معذور سے نفی کی ہے وہ گناہ اور حرج کی ہے مگر مرتبہ اور فضیلت حاصل کرنے سے منع نہیں کیا۔ مگر اس صاحب ال ''وثیقہ'' نے یہ مہم چلانی شروع کردی کہ مسلمان جہادی فریضہ کی ادائیگی سے معذور ہیں اور وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے اور یہ بڑا پر مشقت کام ہے اگر وہ اسے نصیحت سمجھ رہے ہیں تو یہ ان کی خام خیالی ہے کیونکہ یہ نصیحتیں قوم کو بزدل بنا رہی ہیں بلکہ رسوائی کا باعث بن رہی ہیں اور اس کے ذریعے باطل کو حق میں خلط ملط کیا جارہا ہے۔ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا شخص تھے اگرچہ وہ جہاد میں جانے سے معذور تھے پھر بھی جہاد کے لئے نکلتے تھے قادسیہ والے دن جھنڈا اٹھائے پھرتے تھے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ شہادت حاصل ہو جائے مگر انہوں نے اپنے عذر کو اہمیت نہ دیتے ہوئے جہاد کی طرف نکلنے کو ترجیح دی اور صحابہ میں سے کسی نے ان کے اس عمل پر ہرگز نہیں ٹوکا بلکہ ان کے اس عمل کو ان کی فضیلت میں بیان کیا حالانکہ جہاد ان کے لئے فرض کفایہ تھا مگر انہوں نے پھر بھی عذر کے باوجود جہاد میں شمولیت کو ترجیح دی کیونکہ وہ اس کی افضلیت واہمیت سے واقف تھے۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**. یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ قرآن مجید کی آیت ''**لایستوی القاعدون من المومنین والمجاھدون فی سبیل اللہ** ''یعنی بیٹھے مومنین میں اور جہاد میں جانے والے برابر نہیں ہیں۔ اتریں تو عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے کہا یا اللہ میرے عذر پر آیت نازل فرمادے تو اللہ نے یہ الفاظ نازل کئے **غیر اولی الضرر** سوائے ان لوگوں کے جن کو کوئی تکلیف ہے۔ میں نے درمیانی راہ نکالی چنانچہ وہ غزوات میں شریک ہوتے اور کہتے کہ مجھے عَلَم (جھنڈا) پکڑادو میں نابینا ہوں اور میں فرار ہونے کی استطاعت نہیں رکھتا اور مجھے دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا کردو۔(الطبقات الکبری)

رازی اس آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''مراد یہ ہے کہ ان کے لئے جہاد سے پیچھے رہنا جائز ہے اور کسی آیت میں یہ نہیں ہے کہ ان پر نکلنا حرام تھا اگر کوئی ان میں سے مجاہدین کی مدد کے لئے نکلا سامان کی حفاظت کے لئے یا اس لئے کہ ان کی تعداد زیادہ معلوم ہو بشرطیکہ وہ مجاہدین کے اوپر وبال اور بوجھ نہ بن جائے تو یہ عمل اس کے لئے اطاعت گزاری کا سبب اور مقبولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

(تفسیر رازی:119/8)

لہٰذا مرشد کا یہ کہنا کہ ''اس کے لئے ثواب ہے جتنا وہ اس پر قائم رہے گا اور اس سے عاجزی کا گناہ ساقط ہوجائے گا''۔

گناہ ساقط ہونے کا کہنا خاص طور پر جہاد کے لئے درست نہیں ہے کیونکہ عاجزی کبھی کوتاہی سستی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے تو ایسی صورت میں گناہ ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ صاحب ال ''وثیقہ'' نے اس جانب اشارہ تک نہیں کیا کیونکہ اس کا مقصد فرضیت جہاد کی اہمیت کو کم کرنا تھا حالانکہ صحیح بات یہ تھی جوان کو کہنی چاہیے تھی کہ اس کا گناہ اس کی عاجزی کی وجہ سے ساقط ہوجائے گا بشرطیکہ وہ اپنی عاجزی کو زائل کرنے کی کوشش کرتا رہے یا یہ عاجزی سستی کوتاہی کے نتیجے میں نہ ہو لیکن اگر کوئی یہ دیکھتا ہے کہ مسلمانوں کے گھر چھینے جارہے ہیں احکام شریعت معطل کیے جارہے ہیں اور کفار کی جیلیں مسلمانوں سے بھری جارہی ہیں اور مسلمان خواتین کی عزت رات دن کھلم کھلا پامال کی جارہی ہیں مسلمانوں کا مال لوٹا جارہا ہے اور مسلمانوں کے دشمنوں کو مضبوط کیا جارہا ہے اور پھر بھی وہ شخص دنیاوی امور میں مشغول رہے گویا

اسلامی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کے بعد وہ ٹیک لگا کر کہے ہم تو عاجز ہیں کمزور ہیں ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ہم پر جہاد میں حصہ نہ لینے پر کوئی حرج نہیں ہے اور وہ کوئی حقیقی جدو جہد بھی نہ کرے تا کہ اس کی عاجزی دور ہو جائے اور وہ کمزوری نکل جائے تو یہ نفاق کی علامات ہیں گناہوں کے ساقط ہونے کی علامات واسباب نہیں ہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ. (توبۃ:46)

''اگر ان کا نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اس کے لئے کچھ تیاری کرتے لیکن اللہ نے بھی ان کے جانے کو ناپسند کیا انہیں بزدل کر دیا اور کہا گیا بیٹھ جاؤ بیٹھنے والوں کے ساتھ''۔

علامہ السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ فرما رہا ہے کہ منافقین میں سے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی حالت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کا نکلنے کا ارادہ تھا ہی نہیں اور انہوں نے جو عذر پیش کیا وہ باطل تھا کیونکہ عذر تب مقبول ہوتا ہے جب وہ تمام کوششیں کرے مگر کسی شرعی مانع کی بناء پر نہ نکل سکے مگر ان منافقین کا اگر نکلنے کا ارادہ ہوتا تو وہ اس کی تیاری کرتے اور وہ ممکنہ اسباب تیار کرتے مگر چونکہ انہوں نے یہ کچھ نہیں کیا تو پتہ چلا ان کا نکلنے کا ارادہ تھا ہی نہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ نہ تو اس نے غزوہ کیا اور نہ اس نے دل میں اس کا ارادہ کیا تو ایسا شخص نفاق کے ایک شعبہ پر مرا''۔ (احمد، مسلم، ابو داؤد، نسائی)

دل میں جہاد کے خیال وارادہ سے مقصود یہ نہیں کہ اچانک جہاد کا سوچ لیا یا کچھ لوگوں کے سامنے خواہش کا اظہار کر دیا مقصد یہ ہے کہ اگر دل میں خیال آیا تو اس کی تیاری بھی شروع کر دی اس کے لئے تگ ودو شروع کر دی تو اس زجر سے بچ سکتا ہے اور منافقین میں شامل ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے جہاد کا پختہ عزم نہیں کیا اس کا یہ مقصد نہیں کہ وہ یہ کہے اے کاش میں مجاہد ہوتا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ اس نے نکلنے کا ارادہ نہیں کیا

کیونکہ اس کی علامات اس میں ظاہر نہیں ہوئیں اور علامات تیاری ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے ''وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً '' اگر ان کا نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اس کی کچھ تیاری کرتے۔ اور اس قول کی تائید آپ ﷺ کے اس فرمان ''مات علی شعبة من النفاق '' سے بھی ہوتی ہے یعنی نفاق کی ایک قسم پر مرا یعنی یہ منافقین کے مشابہ ہو گیا کیونکہ وہ بھی جہاد سے پیچھے رہے اور جو جن کی مشابہت کرتا ہے اس کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے''۔(مرقاۃ المفاتیح : 346/7)

لہٰذا جہاد کی تیاری کرنا ہر صورت میں ضروری اور واجب ہے عاجزی کے وقت فرضیت کی سقوط کا حکم بھی اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے پس جو واجب چیز جس چیز سے مکمل ہوتی ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے کیونکہ اللہ نے اس کا مستقل حکم دیا ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ.(انفال:60)

''اور ان کے لئے جتنی تمہاری استطاعت ہے تیاری کرو یعنی قوت کی اور گھوڑے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ کر سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں خوب جانتا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا''۔

آج مسلمانوں پر دشمن کا تسلط کا بڑھنا اور مسلمانوں کا ذلت میں پڑنا اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اس عبادت کو چھوڑ دیا اور اس واجب سے غفلت اختیار کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی ہیبت ختم ہو گئی ان کی طاقت کمزور پڑ گئی اور آج یہ کمزوری پر قانع ہو کر بیٹھ گئے اور مسلمانوں کی اکثریت نے یہ سمجھ لیا کہ تمام مشکلات ختم ہو گئیں ہیں اور بعض لوگ مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں ان میں اصحاب ''وثیقہ'' بھی شامل ہیں جو مسلمانوں میں ایسی تہذیب رائج کرنا چاہتے ہیں جو انتہائی کمزور ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے ایسی دوائیں تجویز کر رہے ہیں جن کو استعمال کر کے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اگرچہ ان لوگوں کو ولی بنانا جو اس کے اہل نہیں ہیں ضرورت کے وقت جائز ہے جبکہ اس میں زیادہ صالحیت ہو تو ایسی صورت میں اصلاح احوال کی سعی کرنا واجب ہوتی ہے جب تک امور ولایت اور امارات لوگوں میں مکمل ہو جائیں جیسا کہ تنگی کی حالت میں بھی دین کے احکامات پورے کرنا ضروری ہوتے ہیں اگر اس کی یہ حالت ہے کہ اس سے اس قدر مطلوب ہے جس قدر وہ قدرت رکھتا ہے اور جس طرح جہاد کے لئے اپنی قوت بڑھانا گھوڑوں کو تیار رکھنا ضروری ہوتا ہے جبکہ عاجزی کی وجہ سے نہ کرنے پر گناہ ساقط ہو اس لئے کہ اگر کوئی واجب جس چیز سے مکمل ہوتی ہے وہ بھی واجب ہوتی ہے بخلاف حج کی استطاعت حاصل کرنا اس لئے کہ یہ وہ امور ہیں جن کا حصول ہی واجب ہے''۔(مجموع الفتاوی : 259/28)

علامہ سعدی فرماتے ہیں کہ: ''(اَعِدُّوْا) یعنی تم اپنے کفار دشمنوں کے خلاف تیاری کرو جو تمہیں ہلاک کرنے اور تمہارے دین کو باطل کرنے میں کوشاں ہیں (مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ) یعنی ہر اس طرح سے تیاری کرو جس کی تم قدرت رکھتے ہو یعنی طاقت عقلی، بدنی اور اسلحہ کی تمام اقسام کے لحاظ سے تیاری کرو اس میں ہر قسم کے اسلحہ سازی کی صنعت اور ٹیکنالوجی کا حصول شامل ہے مثلاً ہر قسم کا اسلحہ بنانا دفاعی آلات تیار کرنا، گولہ بارود بنانا مختلف گنیں تیار کرنا ہوائی اور بحری جہاز تیار کرنا قلعے، خندقیں دفاعی آلات کے ساتھ ساتھ ایسی سیاست اختیار کرنا جس سے مسلم امہ آگے بڑھے اور دشمن کے شر اور فساد سے دفاع ہو جائے۔اسی بناء پر نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''الا ان القوۃ الرمی '' خبردار طاقت تیراندازی میں ہے اور اسی میں اس سواریوں کا انتظام اور تیاری بھی شامل ہے جس کی قتال میں ضرورت پڑتی ہے اسی بناء پر اللہ فرماتا ہے (وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ) اور گھوڑے تیار کرنا جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکو یہ علت اس زمانے میں موجود ہے یعنی دشمن کو ڈرانا خوف زدہ کرنا اور حکم کا دارومدار علت پر ہے لہٰذا جس چیز سے دشمن جتنا خوف زدہ ہو سکتا ہے اس کا حصول اتنا ہی ضروری ہے اور یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہے جب ہمارے پاس اس کی صنعت و ٹیکنالوجی ہو گی لہٰذا اس کا سیکھنا اور ٹیکنالوجی کا حصول بھی واجب ہے کیونکہ یہ مقصد کے حصول کا ذریعہ

ہے''۔(تفسیر عدی:324/1)

بلکہ شیخ عبدالقادر بن عبدالعزیز نے خود کہا کہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہاد کا قیام کیسے ممکن ہے جبکہ آج ہم انتہائی کمزور اور قوت متفرق ہے اور تدبیر کی قلت ہے تو اس کا جواب اللہ کے اس فرمان میں موجود ہے:

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. (انفال:46)

''اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور آپس میں تنازع نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا نکل جائے گی (لہٰذا) صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اور اس فرمان میں بھی:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّة.

''(کفار) کے خلاف قدر استطاعت قوت تیار کرو''۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:''جس طرح جہاد کے لئے اپنی قوت اور گھوڑے تیار کرنا ضروری ہے عاجزی کے وقت کیونکہ جو واجب کے حصول کا ذریعہ ہے وہ بھی واجب ہے چنانچہ سابقہ سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاد کو قائم کرنے کے لئے اس کی تیاری ضروری ہے اور اس تیاری کو اللہ نے مومن اور منافق میں فرق قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ. (توبة:46)

''اگر ان کا نکلنے کا ارادہ ہوتا تو وہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو ناپسند کیا اور انہیں بزدل بوجھل کر دیا اور کہا گیا بیٹھ جاؤ بیٹھنے والوں کے ساتھ''۔(العمدۃ فی اعداد العدۃ:5)

ان تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ آج جتنے لوگ بھی جہاد جیسی عبادت کو قائم کرنے سے عاجز ہیں یا تو ان کا عذر شرعی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے۔تو ایسے لوگوں کے لئے جن کے پاس عذر شرعی ہے ضروری ہے کہ وہ اللہ اوراس کے رسول کے لئے نصیحت کریں تا کہ اس عبادت نہ کرنے پر گناہ ساقط ہو جائے یا لوگوں کی سستی و کاہلی عدم دلچسپی کی بناء پر اس فریضہ کی ادائیگی نہیں ہو رہی تو ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اس عاجزی کو دور کرنے کے لئے جدو جہد کریں تا کہ پوری امت سے ذلت ورسوائی دور ہو سکے تا کہ گناہ بھی دور ہو جائے اگر مسلمانوں میں سے کوئی ایک شخص اس فریضہ کو ادا کرنے کھڑا ہو جائے جو اس پر واجب ہے یعنی ان امور کو ادا کرنے کے لئے جس کا تعلق امور جہاد سے ہے یعنی لوگوں کو جہاد کی رغبت دلانا، جہاد کے لئے تیار کرنا، جہادیوں کی مدد کرنا اور کفار کو قتل کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا مجاہد قیدیوں کی حفاظت کرنا اور مہاجرین کی مدد کرنا کفار کو رسوا کرنا وغیرہ تو پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امت آج عاجز ہے جب ایک شخص یہ کام کر سکتا ہے تو پوری امت بدرجہ اولیٰ کرسکتی ہے کیونکہ آج عاجزی کا دعویٰ کر کے جہاد کے اسقاط کا حکم لگانا باطل ہے لہٰذا اے اللہ کے بندو فیصلہ کرو آپ کن کے ساتھ ہو کیا ان لوگوں کے ساتھ جو فرض کی ادائیگی کے لئے جدو جہد کر رہے ہیں یا ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے ذلت کو قبول کرلیا ہے؟ لہٰذا ایسا جواب تلاش کرو جس کا دنیا و آخرت دونوں میں فائدہ ہو اور کسی ایسے شخص کے قول پر اعتماد نہ کرو جو یہ کہتا ہو ''**فلہ ثواب ما قام الخ**''اس کو اس قدر ثواب ملے گا جتنا وہ عمل کرے گا اور ساقط ہو جائے گا گناہ عاجزی کا۔

علم اور جہاد

جہاں بہت سارے معاملات میں اپنی طرف سے خلط ملط خیالات داخل کر دیئے گئے وہاں یہ بات بھی عوام میں مشہور کر دی گئی ہے کہ جہاد اور علم دونوں ایک دوسرے سے جدا امور ہیں جہاں جہاد ہوگا وہاں علم نہیں ہوگا اور جہاں علم ہوگا وہاں جہاد نہیں ہوگا۔افسوس کا مقام ہے کہ اس وہم اور غلط سوچ کی وجہ سے بہت سے علماء جہاد سے دور ہو گئے ورنہ علم جہاد ہمیشہ علماء کے ہاتھ میں رہا ہے مگر آج فرض عین اور فرض کفایہ کی بحث نے جہاد کو بھی متاثر کر دیا ہے جبکہ نبی علیہ السلام خود بنفسہ جہاد کے لئے نکلے تھے اور آپ

ﷺ کے پیچھے پیچھے اجلاء کبار علماء وصحابہ رضی اللہ عنہم ہوا کرتے تھے اور آپ کی قیادت میں جہاد جیسی عبادت کی ادائیگی فرماتے تھے اور آپ ﷺ سے علم اور فقہ فی الدین بھی حاصل کرتے رہتے تھے انہیں دینی تعلیم کے حصول سے کسی چیز نے روکا نہیں یہ سلسلہ خلفاء راشدین کے دور تک چلتا رہا ان کے زمانے میں بھی قراء کرام جہادی لشکر کے امیر مقرر ہوا کرتے تھے چنانچہ وہ جہاد بھی کرتے اور لوگوں کو جہاد کی رغبت بھی دلاتے اور لوگوں کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے مگر انہیں کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ علم کی نشر واشاعت اور جہاد میں تعارض اور تناقض (اختلاف) ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنی تعلیمی ذمہ داریوں کا بہانہ بنا کر جہاد سے دوری نہیں اختیار کی حالانکہ ان کے زمانے میں جہاد فرض کفایہ تھا مگر علماء امت جہاد کے لئے نکلنے کے بڑے حریص تھے کہیں ان پر وعید شدید صادق نہ آجائے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ براءت پڑھی جب وہ اس آیت پر پہنچے (**اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.** (توبة:41)) تم ہلکے ہو اور ثقیل ہو نکلو اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جان سے اللہ کی راہ میں۔ تو کہنے لگے میرا خیال ہے کہ ہمارا رب نوجوانوں اور بوڑھوں کو جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے رہا ہے اے میرے بیٹو میری تیاری کردو تو ان کے بیٹوں نے کہا یرحمک اللہ آپ نے نبی علیہ السلام کے ساتھ غزوہ کیا ہے ان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پھر عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا آج ہم آپ کی طرف سے جہاد میں حصہ لے رہے ہیں مگر انہوں نے انکار کر دیا سمندر میں سوار ہوئے فوت ہو گئے لوگوں کو دفن کرنے کے لئے نو دن بعد جزیرہ ملا نو دنوں تک ان کی نعش خراب نہیں ہوئی نویں دن ان کی تدفین ہوئی۔ (ابن کثیر:156/4)

ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں یمامہ والے دن جبکہ لڑائی کی آگ شدت پکڑ گئی تو آواز لگاتے ہیں (اے اہل قرآن قرآن کو اپنے عمل سے مزین کرو) اور تاریخ اس بات سے بھری پڑی ہے کہ علماء نے جہاد میں کتنی خدمات سرانجام دی ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (حدید:25)

''ہم نے اپنے رسول واضح احکامات دے کر بھیجے ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھیجا تا کہ لوگ عدل سے زندگی بسر کرسکیں اور ہم نے لوہا نازل کیا اس میں سختی شدید قسم کی ہے اور لوگوں کے فائدے ہیں تا کہ اللہ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے غیب کے ساتھ بے شک اللہ قوی اور غالب ہے''۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''دین اسلام یہ ہے کہ تلوار کتاب کے تابع ہو جب کتاب وسنت کا علم ظاہر ہو جاتا ہے اور تلوار اس کے تابع ہو جائے تو اسلام قائم ہو جاتا ہے''۔(مجموع الفتاویٰ : 393/20)

اسی طرح فرمایا کہ: ''دین بغیر کتاب اور میزان اور لوہے کے قائم نہیں ہوسکتا کتاب رہنمائی کرتی ہے لوہا اس کی مدد کرتا ہے پس کتاب سے علم اور دین قائم ہوتا ہے اور میزان سے مالی حقوق وغیرہ حاصل ہوتے ہیں اور لوہے سے کفار منافقین پر حد قائم ہوتی ہے''۔(مجموع الفتاویٰ : 36/35)

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اس مقام پر اللہ نے حدید اور کتاب کو جمع کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دو چیزوں سے اللہ اپنے دین کی مدد کرتا ہے اپنے کلمہ کو کتاب کے ذریعے بلند کرتا ہے کیونکہ اس میں دلائل ہیں اور تلوار مددگار رہے اللہ کے حکم سے اور ان دونوں کے ذریعے ہی انصاف قائم ہوتا ہے اور یہی شریعت کا مقصد ہے''۔(تفسیر سعدی : 842/1)

اس سے قبل بھی امت پر ایسا زمانہ کئی بار آیا ہے جب ان کی حالت بد سے بدتر ہوئی ان کی مرکزیت ختم ہوئی ذلت کے گڑھوں میں گرے مگر ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ یہ سوچ بیدار ہوئی ہو کہ علماء اور جہاد میں دوریاں پیدا ہوئی ہوں بلکہ علماء نے اس میدان میں بھرپور حصہ لیا اور خوب داد شجاعت پائی میدان جہاد کی خاک کو اپنی زینت بنایا بلکہ وہ ہمیشہ میدان جہاد کا ہراول دستہ ثابت ہوئے یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے ان کی سچائی اور خلوص نیت پر کبھی شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا اور ان کی اس عمل پسندی کی وجہ سے ان کی نصیحت میں بڑا اثر تھا عموماً تو علماء ہی جہاد کی قیادت کرتے تھے مگر دوسروں کے تحت بھی جہاد کو اپنے لئے سعادت سمجھ کر کیا وہ ہمیشہ میدان جہاد میں بھی اور اس کے علاوہ بھی جہاد کی رغبت دلانے میں مستعد

رہے یہی وجہ ہے لوگ ان میں اللہ کے اس فرمان کی عملی جھلک دیکھتے تھے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ.(حجرات:15)

''بے شک مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان (کے ساتھ ساتھ) شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں، جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں یہی سچے لوگ ہیں''۔

مگر آج ہمارے زمانہ جس قدر فتنوں اور فاسد کو لئے ہوئے ہے اس کی مثال نہیں ملتی مگر اس کے ساتھ ساتھ علماء کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں کہ وہ لوگوں کو راہ راست دکھانے کے ساتھ ساتھ دین سکھائیں برائیوں سے روکیں معروف کا حکم دیں اور امت کی قیادت کریں اس لئے کہ اب بزدلی، سستی کاہلی اور لوگوں سے علیحدگی کا وقت نہیں ہے بلکہ حالات کا تقاضہ ہے کہ علماء آگے بڑھیں اور امت کو مشکلات سے نکالیں۔ان حالات میں جہادی جماعتیں اپنی وسعت کے مطابق طلباء وعلماء کو فتنوں کی گھاٹیوں میں جانے سے روک رہی ہیں اور انہیں جہاد جیسی واجب عبادت کی طرف متوجہ کر رہی ہیں اور اپنے قیمتی وقت کا کوئی لمحہ بھی علماء کو جہاد کی رغبت دلانے میں ملتا ہے تو فوراً لگاتے ہیں اور مجاہدین کو جہاد کی رغبت دلانے اور ان کی اصلاح کے لئے بھی علماء کے فتاویٰ نصائح پیش کرتے ہیں کیونکہ مجاہدین نے یہ بات کبھی بھی ذہن میں نہیں آنے دی کہ علم اور جہاد دونوں الگ چیزیں ہیں بلکہ وہ اسے ایک دوسرے کے ساتھ لازم سمجھتے ہیں ساتھ ساتھ وہ یہ بھی تنبیہ کرتے رہتے ہیں کہ جہاد کرنے والے اگر علم سے کنارہ کشی اختیار کرلیں گے تو یہ ان کی غلطی ہوگی لہٰذا جہاد کے ساتھ علم کو بھی اہمیت دیتے ہیں یہ نہیں کہ علماء اگر جہاد نہ کریں تو ہم ملامت کریں اور مجاہدین اگر علم سے دور رہیں تو ان پر کوئی ملامت نہ کریں بلکہ دونوں واجبات کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں۔

یہ جہادی جماعتیں امت کے نوجوانوں پر مشتمل جماعت ہے جن پر اللہ نے جہاد کا احیاء آسان کردیا ہے اور وہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دلا رہے ہیں یہ مقصد نہیں کہ یہ باقی امت سے کٹ کر ایک علیحدہ

جماعت کی شکل اختیار کرے وہ تو تمام لوگوں کو اس بات کی رات دن تبلیغ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد شروع کریں اور مجاہدین کا ساتھ دیں۔ ہمارا موقف تو یہ ہے کہ کوئی بھی جماعت جو اقامت دین کا فریضہ انجام دینا چاہتی ہے اسے سب سے پہلے اسلام کی اہمیت کا ادراک کرنا ہوگا اور اس بات کو ذہن نشین کرنا ہوگا کہ اقامت دین کے لئے علم کی کس قدر ضرورت ہے کیونکہ مجاہدین کے لئے بھی ہم اسی چیز کی اہمیت کو واضح کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہدین کی قیادت ہمیشہ علماء پر زور دیتی ہے کہ وہ مجاہدین کی قیادت سنبھالیں جہاد میں ساتھ نکلیں تا کہ ہر موقع پر ان کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ اس ضرورت کو پورا کریں اور یہ بات بھی گوش گزار کرتے رہتے ہیں کہ وہ دور بیٹھ کر جہاد کی رغبت دلانے کی بجائے قریب آ کر یہ فریضہ سرانجام دیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے فتوے دیدیے یہ کافی ہیں کیونکہ مسائل کو اپنے ذہن سے سمجھنے میں بھی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں مگر جب علماء مجاہدین کے ساتھ ہوں گے تو یہ ان سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے اور ہر قسم کی غلطی سے محفوظ رہیں گے حدیث میں آتا ہے کہ:

''خبر اور معائنہ برابر نہیں ہیں بے شک اللہ نے موسیٰ کو ان کی قوم کی حرکت کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا کی خبر دی تو انہوں نے الواح (تختیاں) نہیں پھینکیں مگر جب انہوں نے خود آ کر قوم کا معائنہ کیا تو تختیاں پھینک دیں چنانچہ وہ ٹوٹ گئیں''۔(احمد، حاکم)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے علم، تجربہ اور باخبر رہنے کے بارے میں میں فرمایا:''جہادی امور میں اہل دین کا اعتبار کرنا ضروری ہے کیونکہ انہیں یہ خبر ہوتی ہے کہ اہل دین کس چیز پر ہیں بخلاف دنیا داروں کے کیونکہ ان میں دین ظاہری طور پر ہوتا ہے لہٰذا ان کی رائے نہ لی جائے اور نہ ان لوگوں کی جنہیں دنیا کے بارے میں خبر نہ ہو''۔(الفتاویٰ الکبریٰ : 609/4)

اور قرآن مجید میں اسی چیز کی وضاحت کی گئی ہے کہ علماء کی اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مجاہدین کو علم سمجھائیں تا کہ جہاد اور علم میں تعطل نہ آئے مجاہدین دین کے دفاع اور اس کی نشر و اشاعت کا اور مسلمان ممالک کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں اور علماء مجاہدین کو دین سمجھانے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا فریضہ انجام دیں یعنی ایسے فتوے ایسی تعلیم عام کریں جس سے لوگوں میں جہاد اور مجاہدین کی مدد کا

جذبہ پیدا ہولہٰذا جو یہ سمجھتا ہے کہ علم اور جہاد اور مجاہدین کی مدد کا جذبہ پیدا ہو۔لہٰذا جو یہ سمجھتا ہے کہ علم اور جہاد میں باہمی تناقض ہے اور ایک کا دوسرے سے تعلق نہیں وہ شخص دین سے ناواقف ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِم لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ.

(توبۃ:122)

''مومنین کے لئے یہ اچھا نہیں کہ وہ سب جہاد کے لئے نکل جائیں (بلکہ) ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ دین کو سمجھیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ لوٹ آئیں اپنی قوم کے پاس تا کہ وہ بچتے رہیں''۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:''یہ آیت جہاد میں نکلنے اور بیٹھنے کے حکم پر مشتمل ہے اور اس میں مشترکہ طور پر یہ حکم بھی ہے کہ جہاد اور علم دونوں اہم ہیں لہٰذا نکلنے والے اہل جہاد ہیں اور بیٹھنے والے اہل علم ہیں دین علم جہاد دونوں سے مکمل ہوتا ہے جب ایک جماعت جہاد میں مصروف ہو جائے اور پھر جب مجاہدین جہاد سے لوٹ آئیں تو یہ علماء انہیں دین سکھائیں تو علم اور جہاد کی مصلحت حاصل ہو جاتی ہے یہی معنی سب سے زیادہ سمجھ میں آنے والا ہے''۔(التحریر و التنویر : 404/6)

اور جب جہاد فرض عین ہو جائے جیسا کہ آج ہو چکا ہے تو اہل علم کی سب سے اہم ذمہ داری مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلانا اور انہیں جہاد کے لئے نکلنے پر تیار کرنا مجاہدین کی تائید کرنا اور عام لوگوں کو ان کی اعانت اور ان کے لئے دعا کرنا وغیرہ کی رغبت دلانی ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ یہ کہ مجاہدین کی اچھائیاں لوگوں پر واضح کریں تا کہ لوگوں کی ہمت بلند ہو اور کفار کے عزائم خاک میں مل جائیں اور لوگوں کے سامنے یہ بات لانا بھی علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ کفار ہمارے خلاف کیا سازشیں کر رہے ہیں اور ان سے محفوظ رہنے کے لئے ہمیں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے تا کہ جہاد اور اہل علم ایک ہی لڑی میں پرو دیئے جائیں اور ان دونوں کی جدوجہد سے مقصد حقیقی کو حاصل کر لیا جائے کیونکہ جہاد اور علم کا یہی تعلق اصلی

ہے مگر جیسا کہ بعض لوگ جہالت کی بناء پر یا عمداً ان دونوں کے تعلق وتواصل کو توڑنا چاہتے ہیں تو ان کے عزائم اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا باعث ہیں کیونکہ وہ لوگوں کے دماغ میں یہ بات ڈال رہے ہیں کہ مجاہدین علماء اور علم کے خلاف ہیں اور مجاہدین کی صفیں علماء سے خالی ہیں حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے ''وثیقة الترشید'' کا حاصل یہی ہے کہ مجاہدین علماء کے خلاف ہیں اور وہ اہل علم سے عداوت رکھتے ہیں وغیرہ صاحب ال''وثیقہ'' چاہتے ہیں کہ مجاہدین جب کسی عالم سے فتویٰ حاصل کریں تو اس کا نام لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کریں کہ یہ فلاں عالم کا فتویٰ ہے تا کہ ان کا پروپیگنڈہ کہ مجاہدین علماء سے فتویٰ نہیں لیتے اور خود ہی فتوے بناتے ہیں صحیح ثابت ہوسکے اور ان کے دل مطمئن ہوجائیں کہ ہم نے عوام میں جو مشہور کیا وہ صحیح ہے اور صاحب ''وثیقہ'' کو اصل تکلیف یہی ہے کہ مجاہدین علماء کے فتاویٰ ان کے نام سے مشہور کررہے ہیں۔ یہاں ہم صاحب ''وثیقہ'' کی اس دھوکہ بازی کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو اس نے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے اور بہت دور کی کوڑی لے کر آئے مگر پھر بھی اپنی بات ثابت نہیں کرسکے اولاً مرشد نے کہا (تکلیف کا دارومدار عقل علم قدرت پر ہے لہٰذا علم سے قبل تکلیف (کسی حکم کا مکلّف بنانا) صحیح نہیں ہے فقہ کا قاعدہ بھی اسی پر مبنی ہے کہ عقلاء کے لئے نص سے پہلے افعال کا حکم دینا صحیح نہیں ہے پس علم ہی کے ساتھ تکلیف دی جاسکتی ہے یعنی خطاب شرعی ممکن ہے یعنی شرعی دلیل علم کے ساتھ قائم ہوسکتی ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ تکلیف نہیں دی جائے گی علم سے قبل خطاب پہنچانے کے ساتھ۔ تا کہ خطاب پہنچانا۔ یہ کلام وہم ڈالتا ہے کہ علم بلوغ الخطاب سے علیحدہ ہے اور اس میں وہم پیدا ہوتا ہے کہ تکلیف جس علم پر موقوف ہے اس سے علم تفصیلی مراد ہے حالانکہ علم تفصیلی تکلیف کے آثار میں سے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ علم بھی واجب ہوگا جب تکلیف کا وجود ہوگا یہ شیخ عبدالقادر کے کلام میں واضح ہے انہوں نے اپنی کتاب (الجامع فی طلب العلم الشریف) میں کہا ہے کہ (اداء کی اہلیت، تکلیف کی اہلیت ہے۔ اس سے مراد ہے کہ فرد کی صلاحیت اس کے اقوال افعال شرعی طور پر معتبر ہوں گے یعنی یہ مکلّف ہوگا کہ ان کے افعال واقوال لئے جائیں گے۔

اس اہلیت کی شرائط

ادراک: پہنچانے، عقل اور خطاب کی تکلیف کے بارے میں علم کا ہونا۔

تکلیف نماز مثلاً یہ ہے کہ اس کے واجب ہونے کا حکم کسی کو پہنچ جانا تا کہ اس سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ اور اس کے ترک پر مواخذہ کیا جائے اس وجوب تکلیف اور حصولِ تکلیف پر وجوب تعلیم مرتب ہوتا ہے تا کہ وہ اسے صحیح طور پر ادا کر سکے اس سے فرائض بھی اقسام علم میں شامل ہو جاتے ہیں۔لہٰذا مواخذہ جو کہ اثر تکلیف اور اس کی فرع ہے تمام معاملات میں شرعی امور میں شمار کیا جائے گا اور یہ خطاب شرعی اور حجت قائم ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور علم سے مقصود بھی یہی ہے کہ اس سے تکلیف (کسی حکم کا مکلّف ہونا) حاصل ہو اور اس کے مقابلے میں لفظ ''جہل'' آتا ہے جو اس کی موجودگی میں منفی ہوتا ہے اور یہ تمام تب ہوگا جب یہ جہل کمی کا نتیجہ ہو ساتھ ساتھ اس کے ازالہ کا امکان بھی ہو اسی بناء پر ان کفار کا قتل جن کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی حرام ہے کیونکہ ان پر حجت قائم نہیں ہوئی اور مجرد دعوت کا پہنچنا ان کے خون اور اموال کو حلال کر دیتا ہے اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے میری دعوت سن کر جو بھی ایمان نہ لائے چاہے یہودی ہو یا نصرانی پھر اس حالت میں مر گیا تو وہ جہنمی ہے''۔(احمد،مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

مقام جہاد میں کسی مسلمان کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ یہ جان لے کہ اللہ نے اس پر عبادت جہاد فرض کی ہے تا کہ وہ اس کو ادا کرے اور اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے ترک پر کیا گناہ ملے گا اس تکلیف کے آثار میں مجاہد کے لئے علم کی دو قسمیں بنیں گی ایک علم عینی دوسری علم کفائی اور اس علم کا عبادتِ جہاد کی اصل تکلیف سے کوئی تعلق نہیں یہ معاملہ بالکل واضح ہے الحمد للہ۔

یہاں صاحب ''وثیقہ'' کے کاتب نے یہ کہہ کر ایک اور چھلانگ لگائی کہ شرع کا علم سے مراد وہ راستہ ہے جس کے ذریعے انسان کو اللہ کی مراد معلوم ہوتی ہے اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ علم شریعت سیکھا جائے پس کسی بھی معاملے میں شریعت کا حکم جانے بغیر اس کو کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (الانبیاء:7)

''پوچھو تم اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے ہو''۔

حدیث میں ہے ''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' صاحب ''وثیقہ'' اس چھلانگ سے وہ یہ غلط فہمی پھیلانا چاہتے ہیں کہ جس علم سے تکلیف حاصل ہوتی ہے وہ شریعت کا علم تفصیلی حاصل ہونے پر موقوف ہے لہٰذا شریعت کے تفصیلی علم کے بغیر کوئی مسلمان نہ تو جہاد کا مکلّف ہے اور نہ ترکِ جہاد پر ملامت کے قابل ہے۔ یہی وہ دھوکہ بازی ہے جو اس کتاب میں دینے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ شیخ عبدالقادر نے اپنی کتاب العمدۃ میں اس پر خود رد کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''جہاد نہیں ہے مگر طلب علم کے بعد، اگر چہ اس عبارت میں حق بھی ہے اور باطل بھی کیونکہ سلف میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ جہاد کی فرضیت اور حصول تکلیف طلب علم پر موقوف ہے اور اس عبادت کی ادائیگی کے لئے اس کی تفصیلات کا جاننا ضروری ہے بلکہ نبی علیہ السلام تو جو شخص اسلام قبول کرنا چاہتا ان سے بھی جہاد اور صدقہ کی بیعت لیا کرتے تھے کتنے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کرتے ہی جہاد میں حصہ لیا بلکہ کچھ تو اسلام قبول کرتے ہی جہاد میں شریک ہوئے اور فوراً شہید ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جہاد کی تفصیلی تعلیم کا حکم نہیں دیا لہٰذا جو شرط بھی کتاب میں نہیں ہے وہ باطل ہے اگر چہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں اللہ کے فیصلے زیادہ حق رکھتے ہیں اور اللہ کی شرط زیادہ پختہ ہیں (متفق علیہ)۔ اور جس چیز نے شکوک وشبہات کو پیدا کیا وہ یہ ہے کہ یہ کلام علم کے بارے میں کلام کا تسلسل ہے یعنی وہ اس بارے میں بحث کر رہے تھے کہ علم سے تکلیف حاصل ہوتی ہے اور اس کی کیفیت بھی کہ جہاد واجب ہے یا نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں مقام جہاد میں طلب علم کا جوب بھی اس پر مرتب ہوتا ہے اور یہی صاحب ''وثیقہ'' کا موضوع بھی ہے''۔

جب پڑھنے والا یہ عبارت پڑھتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ شرط تکلیف طلب علم ہے اور باقی عبارتیں پڑھ کر وہ یہ سمجھتا ہے کہ شرط تکلیف یہ ہے کہ احکام کی تفصیلی معلومات حاصل کی جائیں اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ انسان جہاد کا مکلّف نہیں ہے اور نہ ہی ترک جہاد پر اس کا مواخذہ ہوگا بغیر علم حاصل کئے۔ حالانکہ ہم سب کو جہاد کی شرائط معلوم ہیں فقہاء کی کتب موجود ہیں مگر ہمیں کہیں یہ شرط نہیں مل سکی کہ

طلب علم جہاد کی شرط ہے۔ چنانچہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''جہاد کی سات شرائط ہیں:

① اسلام۔

② بلوغت۔

③ عقل۔

④ آزاد ہونا۔

⑤ مرد ہونا۔

⑥ نقصان سے محفوظ ہونا۔

⑦ خرچ کا ہونا۔(المغنی : 412/20)

شیخ عبدالقادر خود کہتے ہیں کہ سابقہ بحث سے پتہ چلا کہ علم وجوب جہاد کی شرط میں داخل نہیں ہے اگر کوئی طلب علم میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ جہاد کے لئے مانع نہیں ہے اور حق کا متلاشی تکبر نہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ علم شرعی جہاد کے لئے شرط نہیں ہے یہ اکیلے ابن قدامہ رحمہ اللہ کا قول نہیں ہے۔

مرشد نے کہا: ''جہادی جماعتوں کے وہ افراد جو شریعت کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کتب سلف میں موجود مطلق احکامات کو آج کے دور پر منطبق کریں شرعی نصوص (کتاب وسنت) اگر ثابت ہوں تو اس میں تبدیلی نہیں ہوگی مگر اس میں حالات کے مطابق تبدیلی کا اختیار ہے اور اس کا ادراک صرف شریعت سے باخبر انسان کر سکتا ہے''۔انتہی

صاحب ''وثیقہ'' کی یہ عبارت جہاد کے سیاق وسباق کے تحت درج کی گئی ہے مگر جو قاعدہ انہوں نے ذکر کیا ہے یہ صرف مجاہدین کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو قید لگانی چاہیے تھی کہ کوئی بھی شخص اللہ کے دین کے بارے میں بغیر علم کے گفتگو نہ کرے۔ مگر ہم یہاں صاحب ''وثیقہ'' سے ایک سوال ضرور کریں گے کہ ''وثیقہ'' کے مرشد نے جب یہ اقرار کیا کہ وہ نہ تو مفتی ہے نہ مجتہد نہ عالم تو اس اقرار کے بعد بھی وہ اس بات کے اہل قرار پاتے ہیں کہ شرعی احکامات پر گفتگو کریں اور اگر وہ گفتگو کے اپنے آپ کو اہل سمجھتے ہیں تو کسی بنیاد پر اہلیت ثابت ہوئی جبکہ وہ عالم مجتہد نہیں ہیں حالانکہ

اگر ہم ''وثیقہ'' پر نظر ڈالتے ہیں تو کتنے ہی مقامات پر انہوں نے سلف کی کتابوں کے مطابق احکامات کو آج کے دور پر منطبق کئے ہیں اور جزئی احکامات اور فتاویٰ کو دلیل بنایا آج کے مسائل کے لئے۔اور اگر ہم ان کی سابقہ کتب کی طرف رجوع کریں تو دسیوں ایسے شرعی مسائل پر جن کا تعلق آج کے مسائل سے ہے انہوں نے اس پر جائز ناجائز کا حکم صادر کیا اور کہا یہ جائز ہے یا ناجائز فلاں عمل کفر فلاں غیر کفر ہے یہ تمام مسائل کتب سلف سے استخراج کئے حالانکہ اللہ فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ امَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ، كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. (صف:2-3)

''اے ایمان والو! تم کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے اللہ کے نزدیک یہ بات از روئے گناہ بہت بڑی کہ تم وہ بات کہو جو تم نہ کرو''۔

یہ بات کسے معلوم نہیں کہ شیخ عبدالقادر نے ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے حکم کو نہیں مانتے کتنی لمبی ابحاث کر کے یہ ثابت کیا کہ جو اللہ کے فیصلے کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ قوانین کی اتباع کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے اور اس کے لئے انہوں نے علماء سلف کے متعدد اقوال پیش کر کے مسئلہ کی وضاحت کی۔کیا شیخ عبدالقادر نے اپنے دور کے طاغوت اور ان کے مددگاروں اور آج کے ان کے معاونین کے بارے میں حکم تحریر نہیں کیا؟؟ اور انہوں نے ان کا حکم ان الفاظ سے تحریر کیا ''ان طاغوتوں سے مراد ان مرتد حاکموں کے معاونین ہیں جو آج کل مختلف اسلامی ممالک میں ایسے فیصلے کر رہے ہیں جو اللہ کے فیصلوں کے خلاف ہیں اور وہ بھی مراد ہیں جو ان کی مدد کرتے ہیں ان کی حمایت کرتے ہیں اور مسلمان مجاہدین ان حکمرانوں کو یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں تو یہ الٹا مجاہدین کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ معاونین بھی مراد ہیں جو ان کی اپنی گفتگو کے ذریعے حمایت کرتے ہیں اور ان کے لئے اسلحہ سے قتال تک کرنے کھڑے ہو جاتے ہیں چنانچہ یہی لوگ ان کفار مرتد حاکموں کے دوام کا سبب ہیں لہٰذا ان طاغوتی حکمرانوں کے معاونین کے لئے وہی حکم ہے جو ان حکام کے بارے میں حکم ہے یعنی یہ بھی ان کی طرح مرتد ہی ہیں''۔(الجامع فی طلب العلم الشریف : 673)

ان کی یہ تقریر بھی کتب سلف سے ماخوذ ہے حالانکہ انہوں نے یہ احکامات اپنے زمانہ کے لئے تحریر کئے تھے مگر انہوں نے آج کے زمانہ پر منطبق کیا ہے جب خود ایک کام کریں تو جائز دوسرا کرے تو ناجائز (یاللعجب) شیخ عبدالقادر نے جمہوریت پر بھی بحث کی حالانکہ یہ بالکل آج کے مسائل میں سے ہے چنانچہ انہوں نے اس کا حکم ان الفاظ میں تحریر کیا کہ: ''جمہوری نظام کفرا کبر ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو دیگر خودساختہ احکامات کا ہے کیونکہ یہ دین اسلام کے خلاف ایک نظام وضع کیا گیا ہے اور اس میں شرک فی الربوبیہ ہے لہٰذا سیاسی پارٹیوں کا بننا پارلیمنٹ کا وجود میں لانا انتخابات کی اکھاڑ پچھاڑ وغیرہ یہ سب کفرا کبر ہے جس کا آج کے لوگ ارتکاب کررہے ہیں اور اس کو مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کررہے ہیں یا اس پر راضی ہیں اگر اس میں حصہ نہ بھی لے رہے ہوں کیونکہ یہ سب جمہوریت کے وسائل ہیں اور جمہوریت کفار کا دین ہے اور وہ لوگ جو دین اسلام کو چھوڑ کر جمہوری دین کو اختیار کر بیٹھے ہیں ان کے وسائل دھوکہ نہ دیدیں اگرچہ یہ لوگ ہزار ہزار رکعتیں نماز پڑھتے رہیں مگر وہ کافر ہی ہیں''۔اس حکم کے لئے بھی انہوں نے سلف کی کتابوں سے استفادہ کیا اور ان کے مطلق نصوص کو آج کے مسائل پر منطبق کر کے حکم لگایا بلکہ انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے ''اس کتاب میں بہت سے ایسے مسائل پر گفتگو کی ہے جن سے آج مسلمانوں کا واسطہ پڑتا ہے اللہ کے حکم سے اس بارے میں صحیح اور حق بات واضح کی گئی ہے مثلاً اتباع وتقلید، جہل اور اس کا عذر، تکفیر اور اس کے ضابطے، جمہوریت کا حکم اور اس کا اسلوب، غیر اللہ کے مطابق فیصلے کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم، احکام الدیار اور عوام الناس کا حکم، سیاست شرعیہ اور موجودہ دور کی تحریفات، حجاب نقاب کا مسئلہ، اس کے علاوہ اور بہت سارے ایسے احکامات جن کا جاننا آج انتہائی ضروری ہے اس کی فہرست پڑھ کر اس کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے''۔اسی طرح مزید لکھتے ہیں: ''میں نے اپنی اس کتاب میں جو منہج اختیار کیا وہ یہ ہے کہ میں کوئی بات ایسی ذکر نہیں کروں گا جس پر کتاب وسنت سے دلیل نہ ہو یا سلف کا قول نہ ہو اور اس کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے''۔(الجامع : 185)

اتنے سارے مسائل جو انہوں نے اپنی کتاب ''الجامع'' اور ''العمدۃ'' میں ذکر کیئے اور ان تمام مسائل

میں ان کا دارومدار علماء سلف کے اقوال پر ہے اور ان کا تعلق آج کے مسائل سے ہے اور وہ مسائل مطلق تھے کیونکہ انہوں نے خود کہا ہے کہ سلف نے ہمارے زمانے کے لئے یہ کتب تحریر نہیں کی مگر انہوں نے ان کو آج کے دور پر منطبق کیا حالانکہ خود کو علماء، مجتہدین مفتیان میں شمار بھی نہیں کرتے پھر بھی ان کے تحریر کردہ مسائل آج کے زمانے پر لاگو کر رہے ہیں تو یہ ان کے لئے کیسے جائز ہو گیا۔نظر تو یہی آتا ہے کہ یہ چونکہ ڈکٹیٹر شپ کی پیداوار ہیں اور وہ یہی سبق پڑھاتے ہیں کہ شرعی احکامات اور عقلی احکامات کو دیوار پر دے مارو مگر ڈکٹیٹروں کی مخالفت نہ ہو۔اگرچہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیخ عبدالقادر کو ان لوگوں سے چھٹکارا دلائے وہ عالم مفتی اور شرعی احکامات سے واقفیت رکھنے والے ہیں اور مجاہدین نے ان کی اب تک کی کتابوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے اگرچہ ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے لہٰذا کہتے ہیں ان کی حق باتیں لی جاسکتی ہیں اور جو حق کے خلاف ہیں رد کی جائیں گی لہٰذا ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں ظلمتوں کی جیل سے انہیں جلد آزادی عطا فرمائے اور انہیں ظالموں اور اللہ کے مجرموں کی قید سے رہائی نصیب فرمائے۔آمین

مرشد نے لکھا: ''علماء سلف نے اپنے زمانے کے لئے کتابیں لکھیں تھیں ہمارے زمانہ کے لئے نہیں اس زمانہ میں مسلمانوں کے لئے دارالاسلام، خلافت، خلیفہ موجود تھا جبکہ یہ تمیز موجود تھی کہ کون مسلمان ہے کون کافر، کیونکہ مسلمان دارالاسلام میں اور کافر دارالحرب میں رہتے تھے اور دارالاسلام میں مسلمان اور ذمی میں امتیاز تھا مگر آج یہ سب کچھ مفقود ہے کیونکہ آج لوگ خلط ملط ہو چکے ہیں لہٰذا کتب سلف پڑھتے وقت ان حالات کو جو کہ تبدیلی اور تغیر پذیر ہیں کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور لوگوں پر حکم لگاتے وقت اس کا لحاظ ضروری ہے''۔

یہ کہنا کہ سلف نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے کتب تحریر کی تھیں مطلق طور پر صحیح نہیں ہے کیونکہ سلف کی تمام کتابیں اپنے زمانہ کے لئے نہیں تھیں۔مجھے خدشہ ہے کہ اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے لوگوں کو سلف سے کاٹنا چاہتے ہیں اور اس کی ابتداء انہوں نے اس طرح سے کی ہے کیونکہ سلف نے جو جہاد کے مسائل لکھے ہیں وہ مستقل مسائل شمار ہوتے ہیں یعنی ہر زمانہ کے لئے لہٰذا ان کا اطلاق آج

کے زمانہ پر اسی طرح ہوتا ہے جس طرح سلف کے زمانہ میں ہوتا تھا سلف کا یہ ہرگز مقصد نہیں تھا کہ صرف آج کے مسائل حل کیئے جائیں اور آئندہ آنے والے لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ انہوں نے ایسا طرز اختیار کیا جس سے تمام زمانہ کے لوگ مستفید ہو سکیں۔

مرشد نے لکھا: ''نا اہل لوگوں کو نا اہل لوگوں کی قیادت کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ تصادم کرنے میں جہاد کے نام سے گھس جائیں خون و مال کے معاملے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے''۔

رہی بات خون اور معالی معاملات میں احتیاط کی تو اس میں کسی قسم کا شک شبہ نہیں ہے اور مجاہدین کو با قاعدہ اس کی بڑی تاکید کی جاتی ہے اور جو فتوے، ابحاث، دروس انہیں دیئے جاتے ہیں اس بات کے گواہ ہیں مگر مجاہدین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ لٹیرے ہیں اور سب لوگوں کو قتل کرتے ہیں خواہ اس کا قتل جائز ہو یا نا جائز یہ سب جھوٹ افتراء ہے اور یہ سب صلیبی پروپیگنڈہ ہے۔ لہٰذا جو اس کا اعتبار کرتا ہے وہ صلیبی سازش کا شکار ہو گیا مگر صورتحال یہ ہو گئی کہ آج جبکہ مجاہدین نے جہاد کا احیاء کیا اور جہادی مسائل علمی اور عملی اعتبار سے عام کیئے حالانکہ موجودہ زمانہ اس سے بہت دور ہو چکا تھا لوگوں نے اس کا انکار شروع کر دیا اور اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ جہاد ہماری مشکلات کا حل ہے اور جن لوگوں نے سلف کی کتب سے جہادی مسائل بیان کیئے ان پر طعن و تشنیع کے تیر برسا دیئے ان پر مختلف الزامات عائد کرنا شروع کر دیئے مثلاً ان کو جاہل، جلد باز، خون بہانے والے، تک قرار دیدیا اور مجاہدین کو ایک بھیانک صورت میں پیش کرنا شروع کر دیا تا کہ لوگ جب مجاہدین سے نفرت کریں گے تو جہاد سے خود بخود دور ہو جائیں گے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا۔

اگر انہیں بھلائی معلوم ہوئی تو اس کو مخفی رکھا
اگر شر کے بارے میں علم ہو گیا تو اس کو پھیلا دیا
اور اگر کچھ بھی علم نہ ہوا تو جھوٹ باندھنا شروع کر دیا

اسی طرح کا ایک اور شعر ہے کہ:

اگر وہ میرے متعلق شک وشبہ کے بارے میں سنتے ہیں خوشی سے اسے پھیلا دیتے ہیں
اور اگر وہ کوئی خیر کی بات سنتے ہیں تو اس کو دفن کر دیتے ہیں

جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو متنبہ کیا تو آج کے مجاہدین جو کہ ایمان میں زیادہ نہیں تو انہیں زیادہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَ لَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ. (توبة:47)

''اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑاتے اور تم میں فتنہ ڈالنے کے تلاش میں رہتے ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے''۔

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''(وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ) کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں ایسے لوگ ہوسکتے ہیں جو منافقین کی باتوں کو سن کر ان کا یقین کرلیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ منافقین ہوں جو مسلمانوں میں گھس آئے ہوں۔ یہ جملہ اس بات کی تنبیہ کررہا ہے کہ منافقین کی فتنہ کی خواہش شدید خطرہ والی ہے کیونکہ مسلمانوں میں بھی کچھ ایسے لوگ ہوسکتے ہیں جو ان کی بات کو سچ سمجھ بیٹھیں اور ان کی سازشوں کا شکار ہوجائیں''۔(التحریر والتنویر : 300/6)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جب قرآن حکیم کے حاملین میں بھی منافقین داخل ہوگئے تھے اور ان کی باتیں کچھ لوگ سچ سمجھنے لگ گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ لوگوں کا کیا حال ہوگا جب منافقین ان کے خلاف پروپیگنڈہ کریں گے کیونکہ ہر دور میں منافقین موجود رہے ہیں اور ان کی باتیں سچ سمجھنے والے بھی کیونکہ وہ ان کی باتیں بغیر غور و فکر کے سچ سمجھ لیتے ہیں''۔(الصواعق المرسلة : 1404/4)

مرشد کا یہ فرمانا کہ: ''نااہل کے لئے نااہل لوگوں کی قیادت عدم اہلیت کے وقت جائز نہیں ہے کہ وہ تصادم میں جہاد کے نام سے لڑیں''۔

اس بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی نااہلی سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت کرنی چاہیے تھی خاص طور جب انہوں نے عالم، مجتہد، مفتی نہ ہونے کے باوجود ایک شرعی حکم ''لا یجوز'' استعمال کی ہے محض ناشرین کتاب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اب نااہلی کا جائزہ لیتے ہیں کیونکہ اس کی مختلف صورتیں ممکن

ہیں پہلی علمی نا اہلی دوسری عسکری نا اہلی تیسری اخلاقی نا اہلی چوتھی تجربہ اور معلومات کی نا اہلی وغیرہ تو ان کی کون سی نا اہلی مراد ہے مگر چونکہ انہوں نے یہ بات اس جملہ کے بعد کہی ہے کہ خون اور مال کے معاملے میں بہت احتیاط ضروری ہے تو معلوم ہوتا ہے ان کی مراد نا اہلی سے علمی نا اہلی مراد ہے کیونکہ ناحق اور حق میں تمیز کرنا علم شرعی سے ہی ممکن ہے لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ نا اہلی کی بنیاد پر قیادت کرنا جائز نہیں ہے دو وجوہات کی بناء پر غلط ہے:

پہلی وجہ: ایک شخص کے پاس علم شرعی کی تو کمی ہے مگر عسکری اور جنگی معاملات میں بہت معلومات ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی عسکری ذمہ داریاں احسن انداز سے نبھا سکتا ہے اور وہ اس کا اہل کہلائے گا اگرچہ اس کی علمی استعداد نہیں ہے لیکن اگر اس سے کوئی علمی سوال کیا جائے یا کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اہل علم سے رجوع کرنا ضروری ہے اللہ کے اس قول کا مطلب بھی یہی ہے: فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (نحل:43) ''تم اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے'' چنانچہ ابن خویز منداد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''ذمہ دار حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ علماء سے مشاورت کرتے رہیں ان امور میں جن میں انہیں علم نہ ہو خاص طور پر جب کوئی دینی مشکل پیش آ جائے یا جنگی معاملات میں لشکر کے متعلق یا لوگوں کی مصلحت کے متعلق یا وزراء عمال وغیرہ سے شہری مصلحتوں سے متعلق یا شہری عمارات سے متعلق''۔(تفسیر القرطبی : 250/4)

ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''شوریٰ کا شریعت کے قواعد اور احکامات کی پختگی سے گہرا تعلق ہے لہٰذا جو علماء سے مشورہ نہیں کرتا اس کو معزول کرنا ضروری ہے اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے''۔(المحرر الوجیز : 35/2)

جب امام کے متعلق یہ فیصلہ ہے تو عام حکام امراء اور لیڈروں کو تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہے کہ اہل علم و دین سے مشاورت کریں کیونکہ ان کا علم کم ہوتا ہے اور شرعی امور میں ان کی اہلیت ناقص ہوتی ہے یا معدوم مگر اضطرار کی اس کیفیت میں ان کی لیڈری جائز ہے مگر ان کے اس نقص کو دوسری صلاحیتوں سے پورا کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''غیر اہل کو تولیت دی جا سکتی ہے ضرورت کے

وقت جبکہ اس سے اصلح کوئی صلاحیت موجود ہوتو اصلاح احوال کی سعی کرنا واجب ہوتا ہے تاکہ لوگوں میں امور ولایات اور امارات کی استعداد کامل طور پر پیدا ہو جائے"۔(السیاسة الشرعیة : 14)

بلکہ امامت عظمیٰ میں بھی یہی طرز اختیار کیا جائے گا تاکہ نظام میں خلل واقع نہ ہو اور امام نہ ہونے کی وجہ سے اہم ترین معاملات بند نہ ہو جائیں بلکہ چند نقائص کو نظر انداز کر کے قبول کر لیا جائے گا تاکہ جتنا ہو سکے وہ مقاصد پورے ہوتے رہیں جو ضروری ہیں مثلاً دنیاوی اور دینی امور وغیرہ کی حفاظت لیکن اس کے ساتھ ساتھ علماء کی طرف رجوع لازم رہے گا تاکہ شریعت کے احکامات سے دوری نہ رہ سکے چنانچہ امام الحرمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ بات گزر چکی ہے کہ امامت کے لئے یہ شرط ہے کہ کوئی اپنے اندر مجتہدین والی صفات پیدا کرے لیکن اگر ہم ایسا شخص نہیں پاتے جو دین کے اعتبار سے امامت کا حق دار ہو مگر وہ دیگر معاملات میں باصلاحیت ہے اور استقلال مضبوطی سے ان امور کو انجام دے سکتا ہے تو ایسے شخص کو منصب دیا جا سکتا ہے جو امور دنیا و دین سے متعلق ہو اور اس کے احکامات نافذ ہوں گے اسی طرح جس طرح اس امام کے نافذ ہوں گے جس کی صفات بیان ہو چکے اور آئمہ دین اس کی رہنمائی کرتے رہیں گے ان تمام مشکل امور میں جو واقع پذیر ہوتے رہیں گے اور جن کا تعلق احکام شرع سے ہو۔علم اگرچہ عقلاً امامت کے لئے شرط ہے لیکن اس شرط کا حامل شخص نہ ملے تو قابل آدمی کو امامت کا منصب سونپا جائے گا عہدہ خالی نہیں چھوڑا جائے گا تاکہ ملک و شہر کو مختلف مشکلات سے محفوظ رکھا جا سکے"۔(غیاث الامم : 276)

اس کتاب میں اور بھی بہت ساری ایسی ہدایات ہیں جو آج کی اس امت اور اس دور سے بڑی مطابقت رکھتی ہیں اگر طوالت کا خدشہ پیش نظر نہ ہوتا تو میں وہ نقل کر دیتا۔

دوسری وجہ: جس کی وجہ سے ان کا نا اہلی کو بنیاد بنا کر قیادت کو ناجائز قرار دینا غلط ہے وہ یہ ہے کہ نا اہلی کی قیادت زیادہ نقصان دہ نہیں ہے بنسبت اس کے کہ قیادت ہی موجود نہ ہو کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ضرر شدید خفیف ضرر سے زائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی اصول ہے کہ شریعت مصالح کی تثبیت اور تکمیل کے لئے اور مفاسد کو معطل کرنے کے لئے آئی ہے لہٰذا جب دو مفاسد کا تعارض آئے گا تو دیکھا جائے گا

کہ بڑا کون سا ہے تو پھر دو باتیں ہوں گی یا تو دونوں کو ہٹا دیں گے لیکن اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو مفاسد کو کم کرنے کی کوشش کی جائے گی وہ اسی طرح ممکن ہے کہ بڑے مفاسد کی بجائے چھوٹے کو اختیار کر لیا جائے ۔(تلقیح الافهام الكلية بشرح القواعد الفقهية : 17/3)

اسی بناء پر اگر چہ قانون یہ ہے کہ منصب ولایت پر ایک شخص فائز ہو مگر اضطراری کیفیت میں جب کہ کوئی ایسا شخص نہ ہو جس میں اہلیت کی جامع صفات ہوں تو ایسے لوگ مل کر ایسے منصب کو چلائیں گے جن کے ملنے سے وہ کمی پوری ہو جائے اور انتظام بہتر طور پر چل سکے جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ’’اسی طرح جنگی امارت بھی جب بھی جنگ میں امیر مقرر کیا جائے اہل علم و دین کے مشورہ سے تو دونوں مصلحتوں کا لحاظ رکھا جائے گا اس طرح باقی مناصب ولایات میں بھی اگر ایک شخص میں تمام صفات موجود نہ ہوں تو متعدد افراد کو ایک منصب دیا جا سکتا ہے لہٰذا زیادہ مصالح کو ترجیح حاصل ہو گی یا متعدد والی ہوں گے یہ اسی صورت میں ہو گا جب ایک شخص میں کامل صفات نہ ہوں‘‘ ۔(السياسة الشرعية:13)

امام الحرمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ’’اہم ترین معاملات میں ضروری ہے کہ تجربہ کار لوگ سرانجام دیں اور دین کا حکم ہی اولیت کا حامل ہو گا لیکن اگر عسکری معاملات میں کسی دیندار آدمی کی بجائے کوئی فاسق آدمی ہے اور عسکری قیادت اس کو سونپنا ضروری ہے تو پھر اس کی امارت کی اتباع کی جائے گی یہ اطاعت حالت مجبوری میں ہو گی نہ کہ خوش دلی سے لیکن اگر کوئی فاسق جو شراب نوشی کرتا ہو یا دیگر گناہوں کا مرتکب ہو مگر ہم اس کو اسلام کے دفاع پر حریص پاتے ہیں اور دینی معاملات میں نہایت چست پاتے ہیں اور وہ حکومت کا اہل بھی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص موجود نہیں جس میں اہلیت کے ساتھ اس سے زیادہ دینداری ہو تو میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ عہدہ اس کو سونپ دینا مناسب ہے کیونکہ ملکی معاملہ ایسا ہے کہ ایک دن کے لئے بھی یہ عہدہ خالی نہیں چھوڑا جا سکتا‘‘ ۔(غياث الامم : 277)

میں کہتا ہوں: جب ملک کو بغیر والی ایک دن بھی چھوڑنا مناسب نہیں ہے تو جب آپ نے ان ملکوں کو کفار فاجروں طاغوت ظالموں کے حوالہ کر دیا؟؟ اور برائیوں کے دروازے کھول دیئے غیر مسلم اقوام

قبضہ کررہی ہیں تاکہ ان ممالک اسلامیہ میں یہودی نصرانی ملحدین داخل ہوجائیں اور وہ آکر یہاں سے مسلمانوں کے عقائد، اخلاقیات شرعی احکامات کو ختم کردیں اور دین کے ساتھ ساتھ ان کی دنیا مال ومتاع حرث ونسل سب کچھ برباد کردیں۔ آپ کے خیال میں یہ بہتر ہیں یا وہ لوگ جو وطن کی محبت کے ساتھ ساتھ دین کی محبت سے بھی سرشار ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کی محبت بھی ہے؟ کیا اب بھی ان کو نااہل کہہ کر ان لوگوں کے تسلط کا تسلط قبول کیا جائے گا جن کا کام ہی فساد ہے؟ اور جن کے دلوں میں ہماری دولت کی محبت ہے۔ اسی طرح منصب قضاء (عدالت کا عہدہ) کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ بڑا اہم عہدہ ہے چنانچہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص عالم فاسق ہے دوسرا جاہل دین دار ہے دونوں میں سے کون زیادہ اس منصب کا اہل ہے لہٰذا اکثر علماء نے یہی کہا ہے کہ جاہل دین دار زیادہ لائق ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''بعض علماء سے پوچھا گیا کہ منصب قضاء کے لئے سوائے ایک عالم فاسق اور جاہل دین دار کے کوئی شخص نہ پایا جائے تو یہ عہدہ کس کو سونپا جائے تو علماء نے کہا اگر دین کی حاجت زیادہ ہے فساد کے غلبہ کی وجہ سے تو صاحب دین کو یہ منصب دیا جائے لیکن اگر علم کی زیادہ ضرورت ہے تو عالم کو ترجیح دی جائے اور اکثر علماء دین دار کو ترجیح دیتے ہیں''۔(السیاسة الشرعیة:13)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر اس قسم کی صورتحال پیدا ہوجائے کہ حاکم وقت جج کے عہدے کے لئے کوئی ایسا شخص نہیں پارہا جس میں وہ شرائط جو اس کے لئے ضروری ہیں موجود ہوں تو وہ ایسے شخص کو قاضی نامزد کرے جو ان شرائط سے عاری ہو کیونکہ شہر یا ملک کو بغیر جج کے ایک دن بھی چھوڑنا مناسب نہیں ہے''۔(اعلام الموقعین: 196/4)

لہٰذا مطلقاً یہ کہنا کہ نااہل کی قیادت درست نہیں یہ قول خود غیر درست ثابت ہوگیا لہٰذا احکامات کو جب بھی بیان کیا جائے اس کی مکمل تفصیل بیان کرنی چاہیے کہ کن حالات میں جائز ہے کن حالات میں ناجائز ہے اور جو مسئلہ جس سے متعلق ہو اس کو بھی واضح کرنا چاہیے تاکہ خاص مسئلہ کو عمومی بیان کردیا جائے اور صرف اس لئے کہ قابض حکومتوں کو سہارا دیدیا جائے تاکہ وہ اپنا کھیل خوب کھل کر کھیل

سکیں اور معاشرے میں فساد کا بازار گرم کر سکیں اور عدل وانصاف معاشرے سے ناپید کر دیں شواہد یہی بتاتے ہیں کہ ان کی مرضی یہی ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں بڑی لمبی بحث کی ہے میں نے کچھ حصہ پہلے نقل کر دیا ہے چنانچہ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر دوبارہ نقل کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''اگر آپ اس لئے قتال کر رہے ہیں کہ اکثر اللہ کی رضا اور اسلام کا غلبہ اور اقامت دین ہو جائے رسول کی اطاعت ہو جائے مگر ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو فاسق فاجر ہیں ان کی نیت فساد ہے کہ وہ صرف ذاتی مفادات یا حکومت حاصل کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں اور ترک قتال کے مفاسد ان لوگوں کے ساتھ مل کر قتال کرنے سے زیادہ ہیں تو واجب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ مل کر قتال کیا جائے تاکہ دو فسادوں میں سے بڑے کو دفع کر دیا جائے کیونکہ دین اسلام کا قاعدہ اور اصول بھی ہے کہ دو فسادوں میں بڑے کو دفع کیا جائے۔ اسی بناء پر اہل سنت والجماعت کا یہ اصول رہا ہے کہ ''**الغزو مع کل بر و فاجر** ''غزوہ فاجر اور نیک سب کے ساتھ مل کر کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد فاجر شخص سے بھی کر دیتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے خود بتایا ہے کیونکہ اگر فاجر امراء کے تحت غزوہ سے منع کر دیا جاتا تو دو باتیں سامنے آتیں پہلی بات یہ کہ غزوہ ترک ہونے سے دشمن غالب آجاتے جو کہ اس سے زیادہ خطرناک بات تھی لیکن فاجر کے ساتھ غزوہ کرنے سے دو فاجر میں ایک کو دفع کرنا میسر آگیا اور اکثر شرائع اسلام قائم ہو گئیں اگرچہ جمیع شرائع تو قائم نہیں ہو سکیں مگر اس صورت میں یہی بہتر ہے بلکہ خلفاء راشدین کے بعد اکثر غزوے اسی طرح واقع ہوئے جب انسان نبی علیہ السلام کے فرامین پر علمی لحاظ سے غور کرتا ہے کہ آپ نے قیامت تک کے لئے جہاد کا حکم دیا اور ظالموں کے ظلم سے روکا تو ہر انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ درمیانی راہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جائے جو جہاد کے مستحق ہیں جیسا کہ یہ لوگ ہیں اور جہاد ہر قسم کے امیر کے ساتھ مل کر کیا جائے اور ایسی جماعت کے ساتھ مل کر کیا جائے جو ان سے اسلام میں اولیٰ ہوں بشرط کہ جہاد کی یہی صورت ممکن ہو اور اجتناب کیا جائے ان لوگوں سے جو اللہ کی نافرمانی میں ان کے خلاف لڑتے ہیں بلکہ ان کی اطاعت کی جائے اللہ کی اطاعت میں اور ان کی

اطاعت نہ کی جائے اللہ کی معصیت میں اس لئے کہ مخلوق کی اطاعت اللہ کی نافرمانی میں جائز نہیں ہے ہر زمانہ میں یہی طریقہ بہترین امت کا رہا ہے اور ہر مکلّف پر یہی طریقہ واجب ہے یہ طریقہ ہی حرور یہ اور مرجئہ کے درمیان کا راستہ ہے کیونکہ پہلا فرقہ اور اس کے متبعین فاسد ورع کے حاملین ہیں کیونکہ ان کے پاس علم نہیں ہے اور دوسرے امراء کی مطلق اطاعت کے قائل ہیں چاہے وہ فاجر فاسق کیوں نہ ہوں ''۔(مجموع الفتاوی : 28/506-507)

اس کے قریب قریب یہ قول ہے ''جہاد ان لوگوں کے ماتحت ہوسکتا ہے جن کے ہاتھ میں حکومت اور اختیارات ہیں اگر ان کے ساتھ مل کر جہاد نہ کیا گیا تو نیک اہل خیر حضرات جہاد نہیں کریں گے تو جہاد سے دین دار لوگوں کا عزم کم ہو جائے گا یا تو جہاد معطل ہو جائے گا یا اکیلے فاجر رہ جائیں گے اس سے کفار کا غلبہ ہو جائے گا یا فجار کا ظہور واقع ہوگا کیونکہ دین اس کے خلاف قتال کا حکم دیتا ہے۔ یہ رائے سب سے زیادہ فاسد ہے کیونکہ اس کا کہنے والا جس چیز کو اپنے ورع و پرہیزگاری کی بناء پر ظلم سمجھ رہا ہے یہ بات کہہ کر اس سے زیادہ فاسد چیز کی طرف چلا گیا بعض ولاۃ الامور سے ظلم کفار کے غلبہ کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ بلکہ ان سے زیادہ ظالم کے مقابلے میں؟ لہٰذا جو ظلم میں اقل ہے اس سے تعاون کیا جانا چاہیے زیادہ ظالم کے مقابلے میں کیونکہ شریعت کی بنیاد مصالح کا حصول اور تکمیل مصالح اور تعطیل مفاسد (فساد والی چیز کو ختم کرنا) اور مفاسد کو حتی الامکان کم کرنا ہے اور دو خیر میں زیادہ خیر اور دو شر چیزوں میں زیادہ شر کی پہچان کرانا شریعت کا مقصود ہے تاکہ مزاحمت کی صورت میں دو بہترین میں سے زیادہ بہتر کو آگے اور دو شر میں زیادہ شر کو دفع کیا جاسکے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کفار، مرتدوں اور خوارج کا شر و فساد ظالم کے شر سے زیادہ خطرناک ہے اگر وہ مسلمانوں پر ظلم نہ کرتے ہوں اور قتال کرنے والا ان پر ظلم کرنا چاہتا ہو تو یہ زیادتی ہے اور زیادتی پر تعاون نہیں کیا جاسکتا۔(منهاج السنة النبوية : 118/6)

جو لوگ اہل علم کی اس گفتگو سے واقفیت رکھتے ہیں جو وہ کفار کے مسلمان ممالک پر قبضہ کے بارے میں کرتے ہیں تو انہیں تب احساس ہوتا ہے کہ علماء اس بات پر کس قدر پریشان ہیں اور اس معاملے کے

خطرات کو وہ کتنا بڑا خطرہ بلکہ وہ اس کو ام المصائب (تمام مسائل کی جڑ) قرار دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اس کے سامنے باقی مفاسد اور مضار کو آسان سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک کفار کا مسلم ممالک پر قبضہ یہ سب سے بڑا نقصان اور فساد کا ذریعہ ہے امام الحرمین نے ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے اسی کے تناظر میں آج کے حالات پر روشنی ڈالی ہے کہ الپ ارسلان اور روم کے بادشاہ کے درمیان کیا واقعہ پیش آیا چنانچہ وہ فرماتے ہیں آج امت پر جو خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں وہ حقیقی خطرات ہیں کیونکہ اگر آج کفار مسلمان ملکوں پر قبضہ کر لیتے ہیں تو وہ نہ صرف قبضہ کریں گے بلکہ وہ مسلمانوں کو غلام بنالیں گے مسلمان بیٹیوں کی عزت محفوظ نہیں رہے گی ان کی چادر عصمت کو داگدار کردیں گے مساجد منہدم کردی جائیں گی تمام شعائر اسلام ختم کردیئے جائیں گے یہ جماعتیں اذانیں سب بند ہوجائیں گی ناقوس اور صلیب کا ہرطرف چرچا ہوگا سارا اسلامی خطہ کفر سے بھر جائے گا اور قابضوں کی طرف وہ لوگ مائل ہوں گے جو گند سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے بلکہ مرتد عن الدین تو ایسی صورت میں جو لوگ اللہ کے دین کے دفاع کے لئے دل کی گہرائیوں سے کھڑے ہوجائیں گے آپ کا ان کے بارے میں کیا خیال ہوگا جو صرف اللہ کے لئے اپنی جانوں کو خطرات میں ڈال کر ان قبضہ گروپ کے خلاف لڑرہے ہوں اور رات دن ایک کر رکھتے ہوں اور موت کے پروں پر سوار ہو کر کفار کے سمندر پر اڑتے ہوں نہ ان میں کفار کا رعب اثر کرتا ہو نہ وہ ان کی دولت سے مرعوب ہوتے ہوں نہ وہ ان کی تکالیف زخموں مشکلات کی پرواہ کرتے ہوں آخر اللہ ان کو فتح عطا فرمادے تو مسلمانوں کے لئے یہ زیادہ بہتر لوگ ہیں یا وہ جو ان کی آزادی سلب کرلیں اور انہیں دین سے دور کردیں؟؟ (غیاث الامم : 254-255)

لہٰذا ہم اسی لئے کہتے ہیں کہ چاہے اصلی کفار کا غلبہ ہو یا مرتدین کا غلبہ ہو ہمیں چاہیے کہ اس کے خلاف ابھی سے جدوجہد کریں تاکہ مسلمان ممالک پر ان کے نقصانات نہ پڑیں بلکہ وہ ان کے تمام قسم کے فساد سے محفوظ ہوجائیں ہمیں اس کے لئے اپنا مال خرچ کرنا پڑے اپنی جان دینی پڑے تو اس سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے جب تک ہمارا ہدف ہمیں حاصل نہ ہوجائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک کو دشمنوں

اوران کے ایجنٹوں سے صاف کردیا جائے اس معاملے میں شیخ عبدالقادر نے تو انتہاء کردی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ: ''جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان آج جہاد سے بے جو بے رغبت ہوگئے اگرچہ بعض اسلامی جماعتیں اس کو کربھی رہی ہیں تو یہ بے رغبتی اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ خیانت ہے اوراس کے دین کے ساتھ بھی خیانت ہے اوروہ دین کے ضائع کرنے کے مترادف ہے''۔(العمدة:355)

آج مسلمانوں پر جتنی مشکلات ومصائب آپڑی ہیں ان کو ہوئے مجاہدین کی بعض غلطیاں (اگروہ صحیح ہیں) کوئی معنی نہیں رکھتی کیونکہ مسلمان ممالک پر آج کفار قبضہ اورتسلط اختیار کرتے جارہے ہیں اوراس کے جومضر اثرات ہیں مجاہدین کی مبینہ غلطیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ آج مسلمان ملکوں میں شریعت اسلام کوروکا جارہاہے اولیاءاللہ کو بندکیا جارہاہے لوگوں کی تربیت الحادوکفر کی طرف لے جارہی ہے اورواضح طور پراللہ کی آیات کا مذاق اڑایا جارہاہے جیل کے دروازے صرف ان لوگوں کے لئے کھول دیئے گئے ہیں جواصلاح کی بات کرتا ہے۔مگرآج لوگ جس طرز زندگی کواختیار کئے ہوئے ہیں اس کی خرابیاں اوراس کے نقصانات کا اس وجہ سے ادراک نہیں کررہے کہ شرعی نظام اور شرعی حکومت قائم نہیں ہے اورلوگ جوتھوڑا بہت اسلام آج باقی ہے وہ مطمئن ہوکر بیٹھ گئے ہیں کہ ہماری نجات کے لئے یہی قدر کافی ہے یہی وجہ ہے کہ مکمل اسلام پرعمل کرنے والے آج اپنے علاقوں میں اجنبی بن کررہ گئے ہیں اوران میں سب سے زیادہ اجنبی آپ کومجاہدین نظرآئیں گےلیکن وہ اس جہادی فریضہ اوراحکامات اسلامیہ کوزندہ کرنے کی بھرپور جدوجہد کررہے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ امت کو درپیش مشکلات سے نکالنے کا یہی واحد حل ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کررہے۔

مرشد لکھتا ہے کہ: ''میں نے بعض ایسے بھی لوگ دیکھے ہیں جونماز اورطہارت کے مسائل کے بارے میں صحیح جواب دینے سے عاجز ہیں مگرخون بہانے اور مال لوٹنے کے بارے میں فتوے دے رہے ہوتے ہیں کیا یہ اسلام میں جائز ہے؟''۔

اس میں شک نہیں ہے کہ دین کے بارے میں بغیرعلم گفتگو کرنا بہت بڑامنکرعمل ہے بلکہ شدید ترین حرام

عمل ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (اعراف:33)

''کہہ دیجئے میرے رب نے فواحش ظاہری اور باطنی دونوں کو اور گناہوں کو ،زیادتیوں کو (ناحق) شرک کو جس کے لئے اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور اللہ کے بارے میں بغیر علم گفتگو کرنے کو حرام کر دیا ہے''۔

اور یہ شیطان کے راستوں میں سے ہے:

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.

(بقرۃ:169)

''بے شک شیطان تمہیں حکم دیتا ہے برائی فحشاء کا اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں وہ کہو جو تم نہیں جانتے''۔

اس میں تو کوئی شک شبہ ہے ہی نہیں لہٰذا صاحب ''وثیقہ'' کو مجاہدین پر یہ تشنیع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟؟ اگر وہ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عموماً تمام مجاہدین ایسے ہوتے ہیں تو یہ ان کا محض افتراء اور جھوٹ ہے حالانکہ شیخ عبدالقادر نے کئی سال مجاہدین کی صفوں میں (عالم مفتی مجتہد نہ ہونے کے باوجود) فتوے دیئے تالیفات کی تعلیم دیتے رہے اگر وہ اپنے اوپر تنقید کریں تو زیادہ اولیٰ ہے لیکن اگر وہ اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتے ہیں تو آج وہ دوسرے کو اس کام کا نااہل کیوں قرار دے رہے ہیں۔لیکن اگر ان کی مراد یہ ہے کہ اس قسم کے بعض امور مجاہدین سے سرزد ہو جاتے ہیں تو ان کو ان کی تعیین کر کے بات کرنی چاہیے نہ کہ عمومی بات کر دی جائے حالانکہ اس قسم کے واقعات تو ہر جگہ ہر زمانہ میں ہوتے رہتے ہیں لہٰذا صرف جہاد کے بارے میں یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جس معاملے میں یہ ہو اس کی گرفت کی جائے۔جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں نکلے ایک شخص کو ہم میں سے پتھر

لگ گیا جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا اس کو احتلام ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا میرے لئے تیمّم کی رخصت ہے تو انہوں نے کہا ہم تیرے لئے تیمّم کی رخصت نہیں پاتے کیونکہ تم پانی کی قدرت رکھتے ہو چنانچہ اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہوگیا جب ہم نبی ﷺ کے پاس واپس آئے تو آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے اس کو مار ڈالا اللہ انہیں مار ڈالے اگر وہ جانتے نہیں تھے تو کسی سے پوچھ لیتے کیونکہ ناواقفیت کا حل سوال کرنا ہے۔(ابو داؤد)

یہ واقعہ زمانہ نبوت اور نزول وحی کے وقت کا ہے تو اگر آج کوئی ایسا واقعہ ہوگیا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے حالانکہ ہم مجاہدین کو خوب تاکید کرتے ہیں کہ وہ اس گناہ سے دور رہا کریں کیونکہ مجاہدین حق کی معرفت کے بڑے شوقین ہیں اور حق کی پہچان کے لئے اہل علم سے فتوے طلب کرتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جہاد کی جزئیات تک پر کتابیں بحوث فتوے موجود ہیں۔

حق جماعت (جس میں مجاہدین بھی شامل ہیں) ہمیشہ ایسے اہل علم سے نہ تو خالی رہی ہے اور نہ رہے گی جو ان کی غفلت اور جہالت پر تنبیہ کرتے رہتے ہیں نبی علیہ السلام کے اس قول کے مصداق ”ایک جماعت میری امت کی ہمیشہ حق پر رہے گی اور غالب رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری مسیح الدجال سے قتال کرے گا“۔(احمد ،مسلم ،حاکم)

کیا وہ جماعت حق پر بغیر حق کے رہے گی اور حق بغیر علم وفہم کے ہوگا جہاں تک ہم نے مشاہدہ کیا ہے مجاہدین کی قیادت اور امراء عمومی طور پر اہل تقویٰ لوگوں پر مشتمل ہے اور وہ ایسے نہیں ہیں کہ وہ مسائل میں بغیر فقہ اور اللہ کے بارے میں بغیر علم کے گفتگو کریں بلکہ وہ تو مسائل میں ہمیشہ اہل علم کے فتوؤں کو ترجیح دیتے ہیں جو علمی اعتبار سے انتہائی راسخ ہوں خواہ ان کا تعلق مجاہدین کی جماعتوں سے ہوں یا نہ ہو۔اس کی مثالیں بھری پڑی ہیں لوگوں میں یہ بات بہت مشہور ہے اور ہم نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے (والحمدللہ)

مرشد نے لکھا: ”اس زمانے میں یہ بات بڑی عام ہوگئی ہے کہ ایک شخص کسی معاملے کو اچھا سمجھ کر یا حماقت سے کرتا ہے پھر اس کی کتاب وسنت سے دلیل تلاش کرتا پھرتا ہے تاکہ اپنی حماقت کو چھپا سکے

اور ملامت کو دور کر سکے اور یہ عادت افراد اور جماعتوں میں موجود ہے وہ ان دلائل کو لے کر غلط مفہوم اخذ کر کے شارع کی مراد کو غلط جگہ منطبق کرتے ہیں''۔

کتنے ہی مسائل تو ہم ایسے دکھا سکتے ہیں کہ صاحب ''وثیقہ'' نے اسی طرح بیان کیے ہیں کہ شارع کی مراد کچھ اور ہے اور انہوں نے کسی اور جگہ منطبق کیے حالانکہ اپنی سابقہ کتب میں ان ہی مسائل کو دوسری جگہ منطبق کیا ان میں سب سے زیادہ واضح مسئلہ والدین سے جہاد کے لئے اجازت لینے کا مسئلہ ہے جس پر ان شاء اللہ کلام کریں گے۔

قیدی کو قیادت نہیں دی جاسکتی

مرشد نے کہا: ''اوّلاً میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت کہ (قیدی کی امارت جائز نہیں) مطلق صحیح نہیں ہے الاحکام السلطانیہ کے اصحاب الماوردی اور ابویعلیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کا امام دشمن کی قید میں چلا جائے تو اس کی امامت باقی رہے گی اس کو امامت سے علیحدہ اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک اس کی خلاصی سے مایوس نہ ہو جائیں''۔

اوّلاً تو یہ ہے کہ کس نے کہا ہے کہ یہ عبارت (لا ولایة للأسیر) مطلق ہے جس کو دیکھ کر فوراً کاتب کو امام الماوردی اور ابویعلیٰ کا سہارا لے کر باطل کرنا پڑا۔اور اس عبارت کو انہوں نے شبہ کیسے قرار دیدیا؟ اور پھر ''وثیقہ'' لکھنے سے قبل ہی اس کا رد کرنے کی جستجو شروع کردی تاکہ اپنے افکار کو ثابت کرسکیں اور اس قول سے جو چیز سامنے آتی ہے ہر ممکن طریقے سے اس کو رد کرسکیں اسی وجہ سے مرشد نے میرا قول نقل کرنے کے بعد کہا کہ ''جن لوگوں نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے ان لوگوں کو خود اس بات میں شبہ ہے کہ مجبور شخص کا اقرار غیر صحیح ہے اور اس کا اثر مرتب نہیں ہوتا''۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ صاحب ''وثیقہ'' اس لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تاکہ صلیب کے علم برداروں کا ایجنڈہ مکمل کیا جائے اور جن کا مقصد یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر طعن و تشنیع اور ذلیل و رسوا کیا جائے لہٰذا اگر المرشد (جو کہ خود اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے) اپنے ایمان کو بھی گواہ بنا کر لے آئے کہ ہم اس ڈکٹیٹر حکومت سے بری ہیں اور یہ کہ یہ صاحب ''وثیقہ'' ہم نے حکومت کے کہنے پر نہیں

لکھا (حالانکہ اس میں انہیں کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کی گئی ہے) تو ہم پھر بھی ان کی تصدیق نہیں کریں گے اس کی چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: شیخ عبدالقادر ایک لمبی مدت مجاہدین میں رہے ہیں اس وقت ان کا قلم وقرطاس ان کے ہاتھ کا فرماں بردار تھا یعنی وہ لکھنے میں آزاد تھے اس وقت ان کو واضح نصیحت اور واضح تنقید کی کوئی ممانعت نہیں تھی وہ تھی اصل ترشید ورہنمائی لیکن اب جوانہوں نے وثیقة الترشید کے نام سے لکھنا شروع کیا ہے جس میں انہوں نے تمام مجاہدین پر یا اکثر پر تنقید کی ہے تو کیا وجہ ہے جب وہ آزاد تھے تو تنقید نہیں کی مگر جب وہ آج اسلام کے سب سے بڑے دشمن مصر کی قید میں ہیں تو تنقید کر رہے ہیں؟؟

اگرچہ ہم اس بات سے ہرگز انکار نہیں کرتے کہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو انہوں نے صاحب ''وثیقہ'' سے پہلے بھی اپنی کتب میں بیان کئے تھے جیسے مسئلہ تاشیرۃ ہے مگر اس کتاب میں ایسی چھلانگ لگائی ہے کہ اپنے لکھے ہوئے مسئلوں کے خلاف بہت کچھ لکھ ڈالا ہے بلکہ ایسے مسائل ثابت کر دیئے ہیں پہلے وہ خود ان کا رد کرتے تھے بلکہ اگر کوئی اس کی مخالفت کرتا تو اس کے رد میں لمبی بحثیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب ان دونوں چیزوں کو دیکھا جاتا ہے کہ پہلے کیا تھے اور اب جبکہ وہ مصری حکومت کی قید میں ہیں جہاں حکومت کی نگرانی میں لکھوایا جاتا ہے اور ایک ایک حرف ان کی منشاء کے مطابق لکھا جاتا ہے تو حقیقت حال کھل کر سامنے آجاتی ہے اور صاحب ''وثیقہ'' کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے اور یہ کہ اس کا فائدہ کس کو ہو رہا ہے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے اور ہمیں یہ بات بھی مکمل طور پر سمجھ آجاتی ہے کہ قیدی (لا ولاية له) کو اختیارات حاصل ہوتے۔

دوسری وجہ: یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مصری حکومت خاص طور پر اور دیگر عرب حکومتیں عموماً اسلام کے خلاف واضح طور پر لڑنے میں مصروف ہیں اور اسلام کی طرف دعوت دینے والوں اور اسلام کے لئے جہاد کرنے والوں پر ان لوگوں نے زمین تنگ کر دی ہے کہ جس کی ماضی میں نظیر نہیں ملتی۔ اور ان پٹھو حکومتوں نے اپنے آلہ کاروں کی مدد کے لئے تمام وسائل استعمال کرنا شروع کر دیئے چاہے اس

کا انجام کتنا ہی برا نکلے آج کے واقعات اس حقیقت کی نقاب کشائی کررہے ہیں اور آنے والا ہر لمحہ اسی بات کی غمازی کررہا ہے۔ جب ان حکومتوں کی حقیقت حال یہ ہے تو ہمیں اچھی طرح طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وثیقة الترشید (جس کا موضوع ہے جہادی عمل کے لئے مصر اور پورے عالم کے لئے رہنمائی) کا اصل غرض ومقصود کیا ہوسکتا ہے کیونکہ یہ تو دو متناقض چیزوں کو جمع کردیا گیا ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ جہاد اور اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں دوسری طرف جہاد کی رہنمائی کررہے ہیں لہٰذا آپ سمجھ لیں کہ وہ کیا رہنمائی کریں گے؟ چونکہ ان کے دماغ میں خاص طور پر کاتب صاحب ال''وثیقہ'' کے دفاع میں جہاد کا یہ مفہوم موجود ہے کہ جہاد کفار کے خلاف اس لئے قتال کرنے کا نام تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہوجائے اور ان لوگوں اور مرتد حاکموں کے خلاف اور ان کا ساتھ دینے والوں اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں کے خلاف قتال کرنے کا نام ہے لہٰذا صاحب ''وثیقہ'' اب جہاد کے اس مفہوم کو دراصل یہ معنی دینا چاہتا ہے کہ ایسا جہاد جو مصری حکومت کی مرضی سے ہو اور تمام عالم کفار کی مرضی سے وہ جہاد صحیح ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں ہے کہ مصری حکومت نہیں چاہتی کہ ان کی جیلوں سے ان کے مرضی وعلم کے خلاف کوئی چیز نکلے لہٰذا جیل سے برآمد شدہ صاحب ''وثیقہ'' ہی اصل رہنمائی کرے گا اور مجاہدین کے دو تمنائیں اسی سے پوری ہوسکتی ہیں حصول ثواب اور ڈکٹیٹر حکومت کو گرا کر اسلامی حکومت کا قیام۔

اگر اس ڈکٹیٹر حکومت کی یہی مرضی ہے تو پھر وہ مجاہدین کے خلاف اپنی سختیاں بند کیوں نہیں کردیتی ان کے خون قوت کی حفاظت کیوں نہیں کرتی اور حکومت مجاہدین کے سپرد کیوں نہیں کردیتی تاکہ صحیح اسلامی حکومت قائم ہوجائے اور ان کا مقصد پورا ہوجائے جیل میں لکھی گئی وہ وثیقة الترشید جس میں مسئلہ (لا ولاية لأسر) پر فضول حواشی لکھ کر وقت ضائع کیا گیا اس کی بھی تمنا پوری ہوجائے۔

تیسری وجہ: اگر کلام اس حد تک ہوتا کہ یہ شبہ غلط ہے کہ شیخ عبدالقادر کا کلام ایسے ولی کا کلام نہیں ہے جو امر اور نہی کا اختیار نہیں رکھتا تو اس کے رد کے لئے یہی عبارت کافی تھی کہ (میں نے کسی کی ولایت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ میں کسی کے لئے لازم سمجھتا ہوں کہ اس کی اطاعت کی جائے اور سنا جائے قیادت میں سے اس کا کوئی وجود نہیں ہے میں تو صرف ایک ناصح ہوں اور علم کا ناقل ہوں) مگر اس

عبارت کونقل کرنے کے بعد لمبی بحث کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی حالانکہ شبہ رفع کرنے کے لیے یہی عبارت کافی تھی خاص طور پر جبکہ تقریباً تمام مجاہدین یہ جانتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر نہ تو کبھی کسی جماعت کے امیر مقرر ہوئے اور نہ کوئی ایسی بات ہوئی پھر بھی تاکیداً اس کی تردید کرنا یہ تحصیل حاصل ہے ہمیں جو چیز سمجھ آرہی ہے کہ یہ مسئلہ اس موقع پر اور مقام پر کیوں اٹھایا جارہا ہے اسی بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کو (لا ولاية لأسيـــــــر) اسیر کی ولایت جائز نہیں اس طرح اٹھانا اور اس کے لئے جدوجہد کرنا خود شکوک وشبہات کو جنم دے رہا ہے۔ اگر اس مسئلہ سے تاثر یہ دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ ان لوگوں کے متعلق بات ہے جو جیلوں کے وثیقے تسلیم نہیں کرتے مگر اصل مقصد ایسے شخص کی ولایت ثابت کرنا مقصود ہے جس کو قید کرلیا گیا اور اپنے سابقہ نظریات سے رجوع کرلیا تاکہ اس کی ولایت ثابت کرکے اس کے متبعین پر اس کی اطاعت لازم کردی جائے خواہ وہ شخص مصر میں ہو دنیا کے کسی بھی حصے میں خاص طور پر جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تمام ممالک اب اسی نہج پر چل رہے ہیں چنانچہ صاحب ''وثیقہ'' یہی بات باور کرانا چاہتا ہے کہ (لا ولاية لأسيـــر) کا اطلاق ہر قیدی پر نہیں ہوتا بلکہ ممکن ہے کوئی شخص جیل کی سلاخوں کے پیچھے بیٹھ کر سابقہ نظریات سے رجوع کرے کوئی امر یا نہی کرے تو اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور اس کے حق سے انحراف کے بعد احکام بھی قبول کے جائیں ۔وثیقۃ الترشید مجاہدین کو کہتی ہے کہ یہ عبارت (لا ولاية لأسيـر) مطلق مراد نہیں لی جائے گی بلکہ ممکن ہے کہ کوئی اسیر اپنی ولایت پر باقی رہے اور وہ امر و نہی کرتا رہے لہٰذا ان کی جماعت اور متبعین پر ضروری ہوگا کہ وہ اس کی اطاعت کریں۔

چوتھی وجہ: اگر ولایت الاسیر مطلق نفی نہیں کی جاتی تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اسیر کی طرف سے جو بھی بات آئے اور ہر اسیر کی بات کو قبول کرلیا جائے بغیر کسی استثناء کے اور بغیر مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے بلکہ مصالح امور کا خیال رکھا جائے گا اور حالات واقعات دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا اب رہی مثال وثیقة الترشيد کی تو اگرچہ قید کی سختی کی وجہ سے یہ نہ بھی لکھی گئی ہو پھر بھی شبہات سے خالی اس لئے نہیں ہے کہ اس میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ سب ان کی سابقہ کتب کے خلاف ہے اور یہ بات

شواہد قطعیہ سے ثابت ہو چکی ہے لہٰذا جو شخص قید کی حالت میں کچھ لکھ رہا ہے اور آزادی کی حالت میں کچھ اور دونوں ایک دوسرے کے مناقض باتیں ہیں اور خاص طور قید کی حالت میں لکھی گئی باتیں شرع کے خلاف ہیں تو ان کا کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے اسی وجہ سے جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''آدمی اپنے نفس کا اس وقت امین نہیں ہوتا جب وہ قید میں ہو یا باندھ دیا گیا ہو یا اس کو تکلیف دی جا رہی ہو''۔

ہمارے کلام (لا ولایة لأسیـــــر) کا تعلق ایسی ولایت سے جس میں وہ امر و نہی کرتا ہو یعنی اس کے احکامات نافذ ہوتے ہوں اس کی اطاعت ہوتی ہو نہ کہ ایسا کوئی مسلمان شخص جو قید کر لیا گیا ہو اس کا کلام منقول ہوتا ہو مگر اس کی حیثیت امر و نہی کی نہ ہو تو وہ اس عبارت سے مراد نہیں ہے۔ مگر یوسف علیہ السلام کی دعوت جو انہوں نے جیل میں دی وہ کچھ اور چیز ہے اور صاحب ''وثیقۃ'' کی روش کچھ اور ہے بلکہ عبث ہے مرشد نے یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے جیل میں وعظ کیا تھا کیا ان کا جیل میں وعظ کرنا حق کو چھوڑنے کی دلیل بن سکتی ہے؟

یہی حال ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام سرخسی رحمہ اللہ کا ہے یہ دونوں بھی جیل میں تھے حالانکہ ان کا اس مقام پر ذکر اور دلیل پکڑنا دھوکہ بازی ہے کیونکہ یہ بات کسی نے بھی نہیں کی کہ جو کچھ بھی جیلوں میں آئے گا وہ مردود ہوگا بلکہ میں نے تو صاحب ''وثیقۃ'' کے صدور سے کئی ماہ قبل اس بات کی تصریح کی تھی کہ ''ممکن ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنی نظر کے مطابق طریقۃ صحیحہ کا خلاصہ پیش کر سکوں اس خطرناک قضیہ میں جو نقاط میں واقع ہوا ہے پہلا یہ کہ قیدی بھائی جن کی طرف رجعت کی نسبت کر دی گئی وہ زبردستی وقہر کی حالت میں ہیں لہٰذا ان سے زبردستی اقوال نقل کرائے جا رہے ہیں اور ان پر سختی کر کے ایسا منہج تیار کرایا گیا ہے جس کو دیکھ کر ایک ادنیٰ فہم رکھنے والا شخص بھی جان لیتا ہے کہ اس منہج کا شرعی دلائل سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے لہٰذا ان جدید افکار سے توقف اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ افکار جدید ہونے کے ساتھ مطروحہ بھی ہیں یعنی قبول ہونے کے قابل نہیں ہیں صرف مخصوص لوگوں کے خیال سے مطابقت رکھتے ہیں اور یہ توقف اس وقت تک اختیار نہ کیا جائے گا جب تک وہ آزاد ہو کر اس کی وضاحت نہیں کر دیتے اور وہ با اختیار ہو کر اس کی وضاحت کریں۔

جب شریعت نے کلمہ کفر کہنے تک کی رخصت دی بحالت اکراہ بشرطیکہ ایمان موجود ہو اور دل اس پر مطمئن ہو تو جو کفر کم درجے کی باتیں ہیں ان کی تو بدرجہ اولیٰ رخصت ہے کہ اگر وہ بحالت جبر کردی جائیں ان کی پکڑ نہیں ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِہٖۤ اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ وَ لٰکِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡکُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ. (النحل:106)

’’جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کیا مگر الّا وہ شخص جو مجبور کردیا گیا ہو اوراس کا دل ایمان پر مطمئن ہو مگر جس نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا ان پر اللہ کا غضب ہے اور عذاب عظیم ہے‘‘۔

دوسری بات: جو لوگ ان رجعت پسندوں کے معاملے کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ یہ بھی تو تمہارے بھائی ہیں لہٰذا تم بھی ان جیسا طرز عمل اختیار کرو تو اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ کسی کے تجربوں سے فائدہ اٹھانا اور چیز ہے اور ان تجربوں کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرنا اوراس کو قولِ فیصل قرار دینا اور چیز ہے لہٰذا ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے اختلاف دور کرنے اور حکم قول فیصل کی حیثیت صرف کتاب وسنت کو حاصل ہے ان ہی دونوں کے ذریعے بندوں کے اقوال واعمال وزن کئے جاتے ہیں اور لوگوں کے تنازعات اسی سے حل کئے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا. (نساء:59)

’’اے ایمان والو اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو اگر تم میں تنازع ہو جائے کسی چیز میں بھی تو اس کو لوٹا دو اللہ اور اس رسول کی طرف اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ اور آخرت کے دن پر یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور احسن ہے انجام کے

لحاظ سے''۔

لہٰذا حق سے رجوع کرنا باطل کو اختیار کرنے والوں کے تجربہ کو حجت شرعیہ بنانا کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہے کہ ہم اختلافی صورت میں ان کی طرف رجوع کریں اور یہ درست نہیں ہے کہ کوئی اگر ہمیں کہے کہ تم جس مسلک ومنہج کو اختیار کئے ہوئے ہو اور اس پر مُصر ہو تمہارے فلاں فلاں ساتھی تو اس سے رجوع کر چکے ہیں حالانکہ وہ اہل علم اور دیگر معاملات میں تم سے آگے ہیں تو ہم ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ بے شک وہ علم میں ہم سے زیادہ ہیں مگر وہ ایسے مقدس نہیں ہیں کہ ان کے اقوال پر تنقید اعتراض نہیں ہو سکتے ہوں لہٰذا ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ شرعی اور اعتبار سے اور دیانت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کے قول کو شریعت کی میزان میں تولیں کیونکہ وہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتی اور ان کے اعمال واقوال کو دلائل کی عدالت میں لا کر فیصلہ کرائیں لہٰذا دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا اور حق کا و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا کہ کون سی فکر صحیح اور کون سی غلط ہے مگر کسی کے تجارب کو مطلق قول تسلیم وقبول کر لینا بغیر کتاب وسنت پر پیش کئے یہ گمراہی کا سبب ہے اور ایسے شخص کا دین محفوظ رہنا مشکل ہے اور کسی طالب حق کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

بعینہ یہی معاملہ ہمارا وثیقة الترشید کے ساتھ بحث ومناقشہ کے موقع پر ہوتا ہے حالانکہ ہمیں کامل یقین ہے کہ یہ صرف مجاہدین کے خلاف اور جہاد میں تحریف کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اور سب سے بڑا مقصد یہ کہ زبردستی مسلط شدہ حکمرانوں کی حکمرانی باقی رہے اور وہ خوب فائدے اٹھاتے رہیں اور یہ بات وقتاً فوقتاً ہم اپنے مناقشات اور بحوث میں ذکر کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں سے حقیقت حال اوجھل نہ ہو جائے اور طویل مناقشات کی وجہ سے اصل صورتحال غائب نہ ہو جائے لہٰذا کہاں صاحب ال''وثیقہ'' کی دین میں تحریفات اور کہاں مجاہدین کی وہ کاوشیں جس کے ذریعے انہوں نے ان کی مجرمانہ سرگرمیاں بے نقاب کیں کہاں یہ لوگ اور کہاں یوسف علیہ السلام کی نصیحت جو انہوں نے جیل میں لوگوں کو کیں یا ابن تیمیہ اور سرخسی رحمہما اللہ کی جدوجہد؟؟ یوسف علیہ السلام نے جو جیل میں دعوت دی اس میں انہوں نے ایک کلمہ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس سے بادشاہ کی حمایت جھلکتی ہو یا اس کے

دین کی حمایت ہوتی ہو بلکہ جو دعوت دی وہ مکمل طور پر اس کے دین کے خلاف تھی کیونکہ آپ نے کہا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (یوسف:39-40)

''اے جیل کے ساتھیو! کیا مختلف رب بہتر ہوتے ہیں یا ایک اللہ زبردست جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے مقابلے میں وہ تو نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لئے ہیں اللہ نے اس بارے میں کوئی دلیل نہیں نازل کی حکم اللہ کا چلتا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ تم نہ عبادت کرو مگر اسی کی یہی دین ہے جو قائم رہنے والا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

لہٰذا جیل میں یوسف علیہ السلام کی دعوت تو صرف توحید کی اور دین قیم کی دعوت تھی نہ کہ ارباب اختیار اور ان کے پیروکاروں کے مفادات کی۔ جیسا کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: ''آپ کا یہ فرمان (ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ) اس میں وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں جس چیز کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں وہ یہ ہے کہ تم ماسویٰ اللہ سے بیزار ہو جاؤ یعنی بتوں سے اور خالصتاً واحد القہار کی عبادت اختیار کرو کیونکہ یہی قائم رہنے والا دین ہے جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے اور یہی وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے''۔ (تفسیر طبری :106/16)

استاذ سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''یوسف علیہ السلام نے دین کی علامات کو پختہ کر دیا اپنے ان تھوڑے سے کلمات منیرہ سے اور دین کے عقائد واضح کر دیئے اور شرک، جاہلیت اور طاغوت کی بنیادیں شدید ہلا کر رکھ دیں''۔ (فی ظلال القرآن : 311/4)

یوسف علیہ السلام کی یہ دعوت کسی ڈکٹیٹر حکمران کے تحت نہیں تھی اور نہ کسی حکمران نے اس کی ترویج کی اور نہ کسی حکمران کے کہنے پر دی بلکہ یہ دعوت تو ان کی مصلحتوں کے بھی خلاف تھی لہٰذا یہ کہاں اور وہ کہاں

؟؟ بلکہ جب آپ علیہ السلام کو جیل سے آزادی کی خوشخبری دی گئی تو آپ علیہ السلام نے انکار کر دیا تھا جب تک سب کو یہ علم نہ ہو جائے کہ وہ الزام سے بری ہیں جوان پر عائد کیا گیا تھا جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَ قَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖ فَلَمَّا جَآئَہُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْہُ مَا بَالُ النِّسْوَۃِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ. (یوسف:50)

''اور کہا بادشاہ نے اس کو میرے پاس لاؤ جب قاصد ان کے پاس آیا تو آپ علیہ السلام نے کہا تم اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ اور اس سے ان عورتوں کے بارے میں پوچھو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بے شک میرا رب ان کے مکر وفریب سے واقف ہے''۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ فرماتا ہے کہ بادشاہ نے کہا ان لوگوں کو جو اس کے پاس تھے میرے پاس یوسف علیہ السلام کو لاؤ یعنی اس کو جیل سے نکالو میرے پاس حاضر کرو جب قاصد یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے حکم دیا کہ وہ بادشاہ کے پاس حاضر ہو جائیں تو فوراً انہوں نے منع کر دیا اس وقت تک کہ ان کی مکمل براءت ظاہر ہو جائے یہ ان کے صبر، عقل مندی، کامل ذہانت کی دلیل ہے۔(تفسیر السعدی:400/1)

اور نبی علیہ السلام نے ان کے اس صبر کو آپ علیہ السلام کے مناقب میں یوں بیان کیا ''اگر میں جیل میں ہوتا جتنی مدت یوسف علیہ السلام رہے تو میں بلانے والے کی دعوت قبول کر لیتا''۔(متفق علیہ)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ علیہ السلام کی مدح میں حدیث وارد ہوئی ہے جو آپ کے فضل وشرف پر اور علو مرتبت وصبر پر دلالت کرتی ہے'' پھر آپ رحمہ اللہ نے حدیث بیان کی۔(تفسیر ابن کثیر:393/4)

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث کا مطلب کہ اگر میں اتنی لمبی مدت جیل میں رہتا جتنی یوسف علیہ السلام رہے اور پھر بلانے والا آتا تو میں فوراً قبول کر لیتا یہ ہے کہ اس بات کو قبول کرنے میں جلد بازی کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسف علیہ السلام کے صبر کو واضح کیا ہے کہ انہوں نے نکلنے میں جلدی نہیں کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں جو بات کہی وہ بطور تواضع کہی ہے اور تواضع سے کسی بڑے میں کمی واقع

ہونے کی بجائے اس کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے بعض نے کہا کہ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دینا'' بعض نے کہا ہے کہ آپ کی یہ بات اس وقت کی ہے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں''۔(فتح الباری:413/6)

لہٰذا بحث اس میں نہیں تھی کہ جیل سے جو کچھ بھی آئے اس کو رد کیا جائے گا بلکہ بات اس میں تھی کہ صاحب ال ''وثیقہ'' چونکہ جیل میں لکھی گئی ہے اور چونکہ یہ حکمرانوں اور ان کے صلیبی علم بردار سرپرستوں کے حکم اور منشاء کے مطابق لکھی گئی ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ جو شخص جیل میں ہو اور اس کی سختیوں میں ہو وہ اس کی مرضی کے مطابق ہی چلتا ہے لہٰذا ہم یہی کہیں گے کہ یہ کتاب بھی ان طاغوتی قوتوں کے اشارے اور حکم پر لکھی گئی ہے اور مقصود یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو جہاد کے راستے روکے جائیں اور مجاہدین کو اپنے عظیم مقاصد سے ہٹا کر ان مقاصد پر لگا دیا جائے جو صاحب ''وثیقہ'' کا ہدف ہے اس طرح مجاہدین سے بھی جان چھوٹ جائے گی اور یہ طاغوتی قوتیں اور اس زمانہ کا ''قیصر'' امن وامان سے حکومت کرتا رہے اور اس کو کسی قسم کی روک ٹوک کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

چنانچہ مرشد (خودساختہ رہنما) لکھتا ہے کہ: ''جہاد جو کہ اس صاحب ''وثیقہ'' کا موضوع ہے یہ بھی دیگر ان امور دینیہ کی طرح ہے جس میں قدرت رکھنا ضروری ہے لہٰذا جہاد تب واجب ہوتا ہے جب آپ اس کی قدرت رکھتے ہوں مگر قدرت سے مراد مالی و بدنی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد حالات و مقام ہے کہ موافق ہیں یا مخالف ہیں اسی بناء پر اللہ نے اصحابِ کہف کی اسی طرح تعریف کی جس طرح مجاہدین کی تعریف کی ہے حالانکہ وہ اپنی قوم سے علیحدہ ہو گئے تھے اسی طرح اللہ نے اس مومن کی تعریف کی جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا مگر اپنا ایمان چھپا رکھا تھا اب آپ ان تینوں کا جائزہ لیں یعنی مجاہد فی سبیل اللہ کا دوسرا اصحابِ کہف تیسرا وہ مومن جس نے اپنا ایمان مخفی رکھا تینوں دیندار ہیں مگر تینوں کا عمل مختلف ہے اس کے باوجود تینوں قابل تعریف ہیں کیونکہ ان تینوں نے وہ عمل کیا جو ان پر شرعاً اس وقت اور جگہ کے

لحاظ سے اوراس کی استطاعت کے مطابق واجب تھا''۔انتہی

جو بھی شخص یہ ''وثیقہ'' پڑھتا تو وہ بغیر کسی شک وشبہ کے یہ گواہی دیتا ہے کہ اس کا مقصد اول یہ ہے کہ مجاہدین اور قابض حکومت اوراس کے صلیبی سرپرستوں کے درمیان یہ کتاب حائل ہو جائے اوراس نے اپنی بساط کے مطابق حائل ہونے کی کوشش بھی کی کبھی کہا کہ جہاد کی اقامت کے راستے بند ہیں کبھی مجاہدین کے خلاف شکوک وشبہات کھڑے کئے کہ یہ جہاد نہیں کرسکتے کبھی کہا کہ جہاد ترک کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ لوگ عاجز کمزور ہیں اور کسی حکم کے مکلّف ہونے کی شرط قدرت واستطاعت ہے پھر صاحب ''وثیقہ'' نے مکلّف ہونے کی شرائط تفصیل سے ان مقاصد کے تحت ہی بیان کیں اوران میں سے علم کو شرط اول قرار دیا پھر بڑے خفیہ طریقہ سے علم میں بحث میں دھوکہ دینے کی کوشش کی اوراس علم کو جو مکلّف ہونے کے لئے ضروری ہے اوراس علم کو جس کا حصول تکلیف کے نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے دونوں کو خلط ملط کرکے بیان کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جب علم اور قدرت دونوں موجود نہیں ہیں جبکہ یہ دونوں مکلّف ہونے کے لئے شرط ہیں تو لہٰذا اس حکم تک پہنچنا بھی ضروری نہیں ہے یعنی جہاد ضروری نہیں ہے اور مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح امت مسلمہ سے جہاد کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا جائے کیونکہ جہاد کی تمام شروط ان کے خیال کے مطابق مفقود ہیں چنانچہ اس تکلیف کے اٹھ جانے اوراس کے گناہ کے اٹھ جانے کے بعد مسلمان بڑے آرام سے زندگی بسر کرسکیں اور یہ طاغوتی حکمران اوران کے طاغوتی سرپرست خوب نعمتوں سے ممتع ہوں اور یہ قبضہ گروپ ڈکٹیٹر حکمران ہمیشہ حکمرانی کرتے رہیں ان کے لئے کسی قسم کی روک ٹوک، رکاوٹ نہ ہو۔

یہاں چند امور پر تنبیہ کرنا ضروری ہے:

پہلی بات: اگر بالفرض جہاد عدم قدرت وعدم استطاعت کی بناء پر فرض نہ بھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت کو جہاد کی رغبت دلانا اوراس کا احیاء کرنا بھی ساقط ہو گیا ہے لہٰذا جہاد کی وہ حقیقت بیان کرنا جو دشمن کی تیار کردہ ہے اور امت کو دشمن کی تدبیروں اور سازشوں سے خوف زدہ کرنا اور یہ کہنا کہ امت عاجز وکمزوری سے علم کے ذریعے نکل سکتی ہے اور یہ کہنا کہ امت کے لئے کامیابی کا

یہی طریقہ ہے حالانکہ امت کو کمزوری کی یہ تعلیم دینا اور اس عاجزی و کمزوری سے مفاہمت کا درس دینا اور ان حالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی تعلیم دینا دراصل شریعت کے احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے کیونکہ اللہ کا حکم یہ ہے:

يَآَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ.(انفال:65)

''اے نبی آپ (ﷺ) مومنین کو قتال کی رغبت دلائیں''۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا.(نساء:84)

''(اے نبی) اللہ کی راہ میں قتال کیجئے نہیں مکلّف بنایا جارہا ہے مگر آپ کو اور مومنین کو قتال کی رغبت دلائیں قریب ہے اللہ ان لوگوں کی پکڑ کو روک دے جو کافر ہوئے اور اللہ سخت پکڑ اور سزا دینے والا ہے''۔

رازی کہتے ہیں: ''(حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ) معنی یہ ہے کہ رسول پر جہاد اور لوگوں کو اس کی رغبت دلانا واجب ہے جب وہ یہ دونوں کام سرانجام دیدے تو اس نے اللہ کے حکم کی تعمیل کر لی لہٰذا رسول کے اس کے علاوہ چھوڑنے پر تارک جہاد نہیں کہا جائے گا''۔(تفسير الرازی : 308/5)

امام السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''(حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ) کہ قتال پر مومنین کو رغبت دلائیں اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جس سے مومنین میں نئی جان پیدا ہو اور ان کے دل مضبوط ہوں لہٰذا اس میں یہ بھی شامل ہے کہ دشمنوں کے بارے میں ایسی خبریں دی جائیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ بزدل ہیں اور جہاد کا اجر و ثواب واضح کرنا بھی اور ترک جہاد کی وعید بھی واضح کرنا اس میں شامل ہے''۔تفسیر السعدی:190/1)

بلکہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر نے خود یہ کہا ہے کہ ''جو جہاد سے عاجز ہے اسے چاہیے کہ وہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دلائے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:(فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا

نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ اللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا. (نساء:84)) ''اے نبی اللہ کی راہ میں قتال کریں نہیں مکلّف بنایا جارہا مگر آپ کے نفس کو اور مومنین کو جہاد کی رغبت دلائیں'' دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اے نبی ﷺ مومنین کو جہاد کی رغبت دلائیں'' یہ قدرت رکھنے والے اور عاجز دونوں پر واجب ہے اور تمام مسلمانوں پر کہ وہ اپنے بھائیوں کو مشرکین کے خلاف قتال کی رغبت دلائیں اور اس زمانہ میں ہمیں اس بات کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ ہم ان آیات پر عمل کر کے یہ اجر عظیم حاصل کر سکیں نبی علیہ السلام نے فرمایا ''جو شخص کسی بھلائی کی دلالت کرتا ہے تو اس کو اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کرنے والے کو (رواہ مسلم)''۔(العمدۃ:40)

مگر صاحب ''وثیقہ'' جس چیز کا علمبردار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بالکل خلاف ہے یہ امت کے دشمنوں کی حالت سے ہمیں خوف زدہ کر رہے ہیں اور ہم میں مایوسیاں پھیلا رہے ہیں اور دشمن کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے ہیں اور مجاہدین کی انتہاء درجے کی تشنیع کر رہے ہیں بلکہ مجاہدین کو مفسدین کی صورت میں پیش کر رہے ہیں بلکہ یہ امت کو عاجزی ذلت رسوائی کا درس دے رہے ہیں کہاں شرعی احکامات اور کہاں ان کی یہ بزدلانہ تعلیمات؟؟

دوسری بات: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قدرت وجوب جہاد کے لئے شرط ہے تو اس کی کوئی حد بھی ہونی چاہیے کہ قدرت سے کیا اور کتنی مراد ہے جس کو حاصل کر کے ہم پر جہاد فرض ہوتا ہے اور کتنی کم قدرت سے جہاد کی فرضیت ساقط ہوتی ہے اور یہ کہ یہ قدرت شریعت سے ثابت ہوگی یا عرف عام سے ؟ حالانکہ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی جس سے ہم کسی حکم کے وجوب اور اسقاط پر فیصلہ کر سکیں جیسا کہ نبی علیہ السلام نے نماز کے لئے حکم دیا کہ ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے تو بیٹھ کر اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتے تو کروٹ کے بل ۔(بخاری)'' اس کی سعی کو استطاعت کے سپرد کر دیا اور یہ استطاعت ایسی نہیں ہے کہ جس پر وجوب موقوف ہو بلکہ یہ ایسا امر ہے کہ جو نہ تو مسلمانوں کی حد پر موقوف ہے اور نہ اس کی مقدار پر اکتفاء کیا جائے گا بلکہ مسلمانوں پر یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اس کو حاصل کرنے کی سعی کرتے رہیں بلکہ اس میں

اضافہ کرتے رہیں پس ہر قسم کا اسلحہ سازی یا جنگ کی تیاری یا ٹیکنالوجی کا حصول یا جدید قسم کی ایجادات کا حصول مسلمانوں کے لئے شرعی حکم ہے اسی بات کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ.(انفال:60)

''اوران کے خلاف جتنا ہو سکے طاقت تیار کرو گھوڑے دوڑانے کی تیاری کرو جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کرو اور ان دوسروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے اور جو بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا مل جائے گا تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:''پھر اللہ نے جنگی آلات کی تیاری کا حکم دیا تاکہ کفار سے مقابلہ کیا جا سکے اپنی طاقت وسعت کے مطابق (وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ)یعنی جس قدر ممکن ہو سکے ان کے خلاف تیاری کرو''۔(تفسیر ابن کثیر : 80/4)

اس سے معلوم ہوا شریعت نے استطاعت کی کوئی حد مقرر نہیں کی کہ جس سے جہاد پر مکلّف بنایا جا سکے یا جس کے نہ ہونے یا کمی پر جہاد کو ساقط قرار دیا جا سکے اور یہ بات بھی ہمارے علم میں رہنی چاہیے کہ شریعت نے ہمیں ان امور کا مکلّف نہیں بنایا جن کی ہم طاقت نہیں رکھتے لہٰذا اب ایک ایسی جہت متعین ہونی چاہیے جس سے ہم یہ جان سکیں کہ امت جہاد کی مکلّف ہے یا نہیں اور وہ جہت کیا ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں؟؟

تیسری بات: یہ سابقہ بات سے تعلق رکھتی ہے اور یہ جواب ہے سابقہ سوال کا کہ ہر وہ شخص جو جہاد کی طرف توجہ کرتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ جہاد کی استطاعت رکھتا ہے مگر جب جہاد کے میدان میں جاتا ہے تو راہ فرار اختیار کر لیتا ہے اگر آدمی کی استطاعت اس کی اپنی نظر سے معتبر ہوتی تو پھر جب وہ جہاد کے میدان سے فرار اختیار کرتا تو مواخذہ کیوں ہوتا جبکہ مواخذہ تو فرع ہے تکلیف کی اور عدم

قدرت واستطاعت پر تکلیف نہیں دی جاسکتی لہٰذا جب استطاعت اور قدرت موقوف ہے تو ایک شخص کے اپنے اندازے سے یہ رائے قائم کرنا کہ وہ استطاعت نہیں رکھتا مگر پھر بھی اس کا مواخذہ کیوں ہوا؟ یہ بات بھی معلوم ہے کہ شریعت میں اس قسم کی مثالیں نہیں دی جاتیں منافقین نے بھی اپنی عدم استطاعت کو جواز بنا کر جہاد سے دور رہنے کی کوشش کی مگر اللہ نے ان کو جھوٹا قرار دیدیا چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ. (توبة:42)

’’عنقریب وہ آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آئیں گے اگر ہم استطاعت رکھتے تو تمہارے ساتھ ضرور نکلتے وہ اپنے آپ کو ہلاک کررہے ہیں اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں‘‘۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ’’اللہ فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کے پاس قسمیں کھائیں گے جو آپ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت طلب کررہے تھے اپنے عذر پیش کریں گے مگر باطل عذر تا کہ آپ ان کا عذر قبول کرلیں اور انہیں جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دیں اور قسمیں بھی جھوٹی کھائیں گے (لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ) اللہ فرماتا ہے کہ وہ کہیں گے اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور نکلتے اگر وسعت ہوتی اگر ہمارے پاس سواری ہوتی وہ ضروریات ہوتی جو مسافر کے لئے ضروری ہے یا صحت بدن یا طاقت بدن ہوتی تو ضرور نکلتے (يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ) وہ اپنے لئے ہلاکت کو واجب کررہے ہیں جھوٹی قسمیں کھا کر۔ کیونکہ جھوٹی قسمیں اللہ کے غضب کو دعوت دیتی ہیں (وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ) اللہ جانتا ہے کہ یہ اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں کیونکہ یہ نکلنے کی طاقت رکھتے ہیں اس لئے ان کے پاس مال بھی ہے اور وہ تمام اسباب موجود ہیں جن کی مسافر کو ضرورت پڑتی ہے اور ان کا بدن صحت مند بھی ہے اور جسم قوی بھی ہے‘‘۔ (تفسیر طبری : 271/14)

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ’’استطاعت سے مراد قدرت ہے یعنی ہم نکلنے کی استطاعت نہیں

رکھتے یہ ان کا عذر تھا اور اپنے عذر کی تاکید کررہے تھے''۔(التحریر والتنویر : 293/6)

چنانچہ ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ عدم استطاعت کو جہاد پر نہ جانے کی دلیل بنانا آج کی بات نہیں ہے بلکہ یہ نبوت کے زمانہ میں بھی موجود تھی جیسا کہ آیت میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ان کے اس عذر کو قبول نہیں کیا گیا بلکہ کبھی عاجزی کا دعویٰ کرنے والا اپنے دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے اگرچہ وہ ایمان مغلظ بھی گواہ بنالے جیسا کہ اللہ نے کہا(وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّھُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ)اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اس چیز کا فیصلہ سچے مجاہدین ہی کریں گے کہ امت جہاد کی استطاعت رکھتی ہے یا نہیں یا پھر وہ علماء جو ربانی (رب کے حکم پر چلنے والے)،ایماندار، باخبر، تجربہ کار ہیں جو فقہ کے ساتھ ساتھ دین کی معرفت اور مہارت رکھتے ہیں اور دین کی ضروریات کو سمجھتے ہیں اور جہاد جیسی عبادت کی مہارت رکھتے ہیں اور دشمن کی طاقت کا اپنے تجربے اور مہارت سے ادراک رکھتے ہوں اگر ان صفات کے حاملین علماء عجز(کمزوری) کا دعویٰ کریں تو ان کے بارے میں یہ کہنا ممکن ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں کیونکہ جہاد کا واقع ہونا ان کے دعویٰ کی تکذیب کررہا ہے اور ان کے خیال کی نفی کررہا ہے۔

صلیبی جنگوں میں جس طرح یہ کفار ایک دوسرے کی مدد کررہے تھے اور جس طرح انہوں نے اپنی طاقت قوت کو جمع کیا اور خطرناک پلاننگ کی اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی مگر اس کے باوجود اللہ کے فضل سے امت نے اللہ پر توکل کرکے دشمن کی طاقت وشوکت کو جس طرح توڑا یہ ایک حقیقت ہے اور یہ سب اسی وجہ سے ممکن ہوا کہ امت نے لوگوں کے اس دعویٰ کو مسترد کردیا کہ وہ کمزور ہیں بلکہ انہوں نے اپنے نوجوانوں کی ایسی لازوال قربانیاں دیں جس سے دشمن کے پیر اکھڑ گئے اور وہ رسوا ہوکر بھاگ کھڑا ہوا اور یہ کل ہی کی بات ہے زیادہ دور کی نہیں ہے:

خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِھِمۡ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ.

(انفال:47)

''جو لوگ نکلے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور وہ اللہ کے راستے سے روکتے تھے''۔

جب امت اپنے تفرقات اوراختلافات وانتشار کے باوجود صلیبی سیلاب کوروک سکتے ہیں اوران کی قوت کو پاش پاس کرسکتے ہیں جو کہ اس ڈکٹیٹر قبضہ گروپ حکومت کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ بڑی طاقت تھی تو کیا آج یہ اس طاغوتی نظام اور اس کے لئے کام کرنے والی حکومتوں کو جڑ سے نہیں اکھاڑ سکتے بالکل اکھاڑ سکتے ہیں ایک دن آئے گا جب یہ باطل اور ظالم حکومتیں اوراس کی پشت پناہی کرنے والی صلیبی حکومتیں مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھائیں گے کیونکہ یہ حکومت صرف ان صلیبی مما لک کے وجود پر قائم ہیں اب یہ خود کمزور ہوچکی لہٰذا جوان کی پروردہ حکومتیں ہیں وہ بھی بفضل اللہ ختم ہونے والی ہیں۔

لیکن اگرامت کے مجاہدین صادقین حیلوں کی توجیہات کوقبول کرنا شروع کردیں اوران کے وثائق پر جو بقول ان کے رہنمائی کرتی ہے پرنظریں جمالیں اور جووہ امت کے بارے میں کہیں اس کومن وعن قبول کرلیں ایسے وقت میں جبکہ صلیب کے علمبردار اسلامی مما لک اورشہروں میں ڈیرے ڈال چکے ہیں اور یہ لوگ ان کے مشوروں پرعمل پیرا ہیں تو کیا ان کی رہنمائی قبول کرکے امت دشمن کے مقابلے کے قابل رہے گی یا عاجز آئے گی؟؟ اگرامت ان کے مشوروں اور رہنمائی پرعمل پیرا ہوجائے تو نتیجہ اس سے بھی بدتر نکلے گا جس کا عقل تصور بھی نہیں کرسکتی اور اسلامی مما لک کا نقشہ ہی تبدیل ہوجائے گا چونکہ ان وثائق کوجیل سے باہر لانے کا مقصد ہی منفی ہے اور جبکہ طاقت، اقتدار، غلبہ سب کچھ ان کے پاس ہے اوران کا مقابلہ کرنے کی کسی میں سکت نہ ہوتی تو یہ اپنے ان زہریلے اور بدبخت وثائق سے امت کو تباہی وبربادی کی ایسی گہرائیوں میں دھکیل دیتے جس سے نکلنا ان کے لئے ناممکن ہوتا اوراس طرح ان کے مذموم مقاصد پورے ہوجاتے مگر مجاہدین نے ان کے تمام عزائم ناکام بنا کرامت کو بڑی تباہی سے بچالیا واللہ اکبر یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب افغانستان جیسے چھوٹے اور کمزور ملک پر سرخ انقلاب کے علمبردار کمیونسٹوں نے حملہ کردیا اس وقت روس انتہائی سرکش خبیث ترین ملک تھا اور افغانستان اس وقت مادی، مالی، معاشی ہرلحاظ سے اس سے کمزور ملک تھا مگر وہ اپنی محدود قوت کے باوجود اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوگئے اور یہ خارجی مدد سے ان کے

خلاف لڑنا شروع ہو گئے اور روز بروز ان کی قوت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اس وقت ہم نے کسی عالم سے یہ نہیں سنا کہ اس افغانستان یا اس کے باہر فتویٰ دیا ہو چونکہ مقابلے کی استطاعت نہیں ہے لہٰذا جہاد ساقط ہے بلکہ جیسے ہی افغانستان پر حملہ ہوا پورے عالم اسلام میں افغانستان جانے کا اعلان کر دیا گیا اور جہاد کبیر سے پہلے لوگ جہاد صغیر کے لئے اڑنا شروع ہو گئے اور امت نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور امت کے بہترین لوگ افغانستان امڈ چلے آئے مشکلات ومصائب جھیلے حتی کہ ظلم کو انہوں نے واپس دھکیل دیا اور الحاد کی فوج شکست کھا گئی اور اہل فساد وعناد کی شان وشوکت ٹوٹ کر رہ گئی۔اس وقت مجاہدین جو کہ تھوڑی تعداد میں تھے اور لوگوں میں بھی ناپسندیدہ تھے اگر وہ جیلوں میں جمع ہو کر لوگوں کو کمزوری کا درس دینا شروع کر دیتے اور لوگ بھی ان کے دلائل سن کر بوجھل بن کر بیٹھ جاتے اور الحاد وکفر کے ٹینکوں کو اپنی بندوقوں اور کمزور اسلحہ سے نہ روکتے تو کیا امت بیدار ہوتی اور اپنی غفلت ترک کرتی اور کیا امت ان کی مدد اور سرپرستی کے لئے آگے بڑھتی؟؟

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ ہم کن کمزوروں کی بات مانیں کیا ان کی جو افغانستان کی مدد کرنے آگے بڑھے اور ایسا افغانستان جو کہ فقیر کمزور ناتواں تھا یا ان لوگوں کی جن کے پاس معلومات کے خزانے مال ودولت کے انبار بھرپور طاقت تمام قسم کے وسائل موجود ہیں۔اور کس دشمن کو ہم زیادہ کمزور سمجھیں کیا وہ جیش جرار جس کے پاس انتہائی تباہ کن اسلحہ تھا اور جن کے کارخانے مسلسل اسلحہ فراہم کرتے رہے حتی کہ اہل مغرب بھی ان کے اسلحہ سے خوف زدہ تھے یا وہ دشمن زیادہ کمزور ہے جس نے اپنے ہی ملک پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے اور جو صرف اپنے ملک کے باشندوں کے خلاف لڑنے کی سکت رکھتی ہے اور جو شاعر کے اس قول کے مصداق ہیں ؎

میرے لئے شیر ہے اور جنگ میں بھیڑ ہے

جب اس وقت کمزوری اتنے بڑے دشمن کے مقابلے میں جہاد کے ساقط ہونے کی دلیل نہیں بن سکی تو آج کیا وجہ ہے کہ یہ دلیل منکشف ہو رہی ہے اور اچانک ہمیں یہ اطلاع دی جا رہی ہے کہ امت میں دشمن کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر ان طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد

ترک کر دیا جائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے اور دلیل یہ دی جا رہی ہے کہ انسان کسی حکم کا مکلّف جب ہوتا ہے جب وہ اس کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے جب استطاعت نہ ہو تو حکم کا مکلّف بھی نہیں ہے چنانچہ صاحب ''وثیقہ'' نے امت کی عاجزی ثابت کر دی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ انہوں نے کہہ دیا کہ (ہم ڈکٹیٹروں کے خلاف تصادم کو جہاد کے نام پر مسلمان ملکوں میں ناجائز سمجھتے ہیں لہٰذا ہاتھ سے اور تصادم سے تبدیلی کو ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ یہ شرعی اختیارات میں سے نہیں ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ صرف اچھائی کی دعوت دی جائے۔انتھی)

چوتھی بات: چلو اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کر لیں کہ امت عاجز ہے اور اس میں استطاعت جہاد کا فقدان ہے اور منکر کو ہاتھ سے روکنا شرعی اختیارات میں سے نہیں ہے جو ہمارے اوپر واجب نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ مرشد نے فوراً دعوت حسنیٰ پر زور دیا اور جہاد کی عدم استطاعت کی صورت میں جو چیز ضروری اور اس کا متبادل ہے یعنی جہاد کی تیاری اس سے غفلت اختیار کی اس کی کیا وجہ ہے؟؟ کیا دعوت سے عاجزی اور ضعف ختم ہو سکتا ہے اور کیا اس سے امت میں قوت ،قدرت و استطاعت پیدا ہو سکتی ہے؟اس کا جواب وہ ہے جو خود شیخ عبدالقادر نے دیا ہے کہ ''جب مسلمان اپنی وسعت کے مطابق تیاری کر لیں یعنی جب انہیں کامیابی کا امکان نظر آنے لگے تو جہاد شرعی کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ایمانی تیاری کے لئے جہاد کو مؤخر نہیں کیا جائے گا اور معنی ہے اس بات کا کہ جب عاجزی ہو تو مادی اور ایمانی تیاری واجب ہوتی ہے لہٰذا جس نے ایمانی تیاری شروع کی اور مادی تیاری ترک کر دی یا دونوں ترک کر دیں تو وہ ایسے حکم کے ترک کی بناء پر گناہ گار ہے جس کا اس کو حکم دیا گیا تھا جیسا کہ حکم ہے: **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ** ۔''ان کے خلاف تیاری کرو جتنی طاقت ممکن ہو سکے''۔(العمدة:395)

اگر امت واقعی کمزور اور عاجز ہوتی جیسا کہ **وثیقة الترشید** کا خیال ہے تو اس کمزوری سے نکلنے کا طریقہ وہ ہرگز نہیں ہے جو ان لوگوں نے متعین کیا ہے یعنی انہوں نے دعوتِ حسنیٰ پر اکتفاء کیا ہے تا کہ امت پر ظلمتوں کے بادل چھائے رہیں اور صرف الفاظ کی محفلیں جمتی رہیں اور تلواریں ہمیشہ کے لئے نیام میں چلی جائیں یا ٹوٹ جائیں حالانکہ امت کے اس کمزوری و عاجزی سے نکلنے کا راستہ مادی تیاری

کے ساتھ ساتھ ایمانی تیاری ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور خوب اسلحہ جمع کیا جائے اور اس کو چلانے کی تربیت حاصل کی جائے اور عسکری مہارت کے حامل افراد سے روابط بڑھا کر عسکری قوت میں اضافہ کیا جائے تا کہ امت کے جوان اسلحہ کا مقابلہ اسلحہ سے کرسکیں اور ظلم کو بزور قوت رد کرسکیں اور کفر کا شدت قوت سے مقابلہ کرسکیں اور قوت کا قوت کے ذریعے مقابلہ کرسکیں شریعت کے واجبات میں سے یہ ہی واجب ہے جس سے صاحب ''وثیقہ'' ناواقف ہے۔ لوگوں کو ذبح کیا جارہا ہوان کی جڑیں کاٹی جارہی ہوں اور اس کے مقدس مقامات کو پامال کیا جارہا ہوان کی آزادی سلب کی جارہی ہو اور امت کا مال ومتاع لوٹا جارہا ہو اور یہ اس کا حل دعوت حسنیٰ پیش کررہے ہوں کیا تعجب خیز بات ہے؟؟

سید قطب شہید رحمہ اللہ نے کیا خوب صورت بات کہی ہے: ''اسلام لاہوتی نظام نہیں ہے جو محض دل میں اقرار کرلینے سے یا دل میں عقیدہ رکھنے یا اس کے شعائر کو اپنانے کے بعد اس کی انتہاء ہوجائے بلکہ اسلام تو عملی منہج اور ایک حقیقت ثابتہ کا نام ہے جس پر اس کی حکومت قائم ہوتی ہے اور اس میں مادی ترقی کا بڑا عمل دخل ہے لہٰذا اس منہج ربانی سے فرار ممکن نہیں جس میں اس نے مادی طاقت کے حصول کو ضروری قرار دیا ہے اور ایسی قوتوں کو پاش پاش کرنے کا بھی حکم دیا ہے جو اس سے ہٹ کر دوسرے مناہج اپناتے ہیں اور انہیں ربانی منہج کی جگہ دیتے ہیں''۔ (فی ظلال القرآن : 432/3)

اگر امت پر عدم قدرت کی بناء پر جہاد فرض نہیں ہے تو بھی اس کا کوئی مطلب نہیں ہے کہ خیار امت اور امت جہاد راحت سے بیٹھی رہے یا صرف دعوت ہی پر اکتفاء کرے بلکہ ایسی صورت میں اسے جہاد کی تیاری فرض عین قرار پاتی ہے کیونکہ اس سے ہی قدرت حاصل ہوگی جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جیسا کہ جہاد کے لئے طاقت تیار کرنا اور گھوڑے تیار کرنا اس وقت واجب ہے جبکہ امت جہاد سے عاجز ہو کیونکہ جس چیز سے واجب چیز ادا ہوتی ہے تو وہ چیز واجب ہی ہوتی ہے''۔

جہاں تک تیاری کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ محض عقیدہ رکھنے تک نہیں ہے بلکہ حقیقی تیاری مراد ہے کیونکہ اس کے ذریعے جہاد قائم ہونے کے امکانات بہت زیادہ پیدا ہوجاتے ہیں اور مسلمان اس بات سے

عاجز نہیں رہ سکتا ہے کہ اس کا بعض حصہ اس کے ناممکن ہے اس لئے کہ آج وہ حالات نہیں جو چند سال قبل تھے مجاہدین کی تیاری کے اعتبار سے بھی اور جہاد کے میدان کھلنے کے اعتبار سے بھی کیونکہ مختلف علاقوں میں جہاں جہاد بپاء ہو چکا ہے مثلاً الجزائر، افغانستان، چیچنیا، عراق، صومالیہ، فلسطین میں اور عسکری اعتبار سے جو آج صورتحال مجاہدین کو حاصل ہے وہ چند سال پہلے نہیں تھی کیونکہ ان کی عسکری تیاریاں اوران کے ماضی کے وسائل ماضی کے مقابلے میں کہیں بہتر ہیں اور یہ دعوت حسنٰی کے نتیجہ میں ممکن نہیں ہوا اور نہ ہی یہ تصادم سے اجتناب کا نتیجہ ہے بلکہ یہ ان کی مسلسل محنت ومشقت، عملی کاوشوں اور لازوال قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے مجاہدین کو عزت عطا فرمائی اور ان پر احسان فرمایا اور انہیں بہترین راستے پر گامزن کیا جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ.

(عنکبوت:69)

’’جو لوگ ہمارے لئے جہاد کرتے ہیں تو ہم انہیں اپنے راستے کی ہدایت دے دیتے ہیں اور بے شک اللہ محسنین کے ساتھ ہے‘‘۔

دوسری جگہ فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ. (مائدہ:54)

’’اے ایمان والو! جو شخص اپنے دین سے مرتد ہوا تو اللہ عنقریب ایسی قوم لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے مومنوں کے لئے نرم کفار کے سخت وہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوں گے یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ ان کو دیتا ہے جن کو وہ چاہتا ہے

اور اللہ وسیع علم والا ہے''۔

مگر یہ کام اولاً توکل علی اللہ کا معاملہ یہ اس کے بعد ہمت وعزم کا اور جہد مسلسل اور صدق ارادہ کا۔ ہمیں ان مجاہدین سے نصیحت پکڑنی چاہیے جو انتہائی خطرناک دشمنوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں جب فلسطین میں مجاہدین نے انتفاضہ کی تحریک شروع کی تو ان کے پاس اسلحہ کی جگہ پتھر تھے اور وہ بھی تھوڑی مقدار میں پھر آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے غلیل سے پتھر پھینکنے اور چھریوں، کی جگہ بندوقیں استعمال کرنی شروع کیں اور پھر بارودی سرنگیں اور لانچر تک نوبت آچکی ہے چنانچہ یہ سب کچھ اللہ کے اس فرمان کا بعینہ مصداق ہے: وَ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا. ''جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں تو ہم ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں''۔

پانچویں بات: اگر بالفرض ہم یہ تسلیم کرلیں کہ امت واقعی کمزور ہوچکی ہے اور وہ عاجز آگئی ہے اور ان سے وجوب جہاد کا حکم ساقط ہوچکا ہے تو پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شخص سے بھی جہاد ساقط ہوگیا جو انفرادی طور پر جہاد کی رغبت رکھتا ہے خواہ وہ بالفعل یا بالقول کرے بلکہ اس کو اس کے ارادہ کا بھی ان شاء اللہ ثواب ملے گا اگرچہ اس کی غرض صرف شہادت کی ہو لیکن جب ایک شخص کے انفرادی ارادے پر کوئی روک ٹوک نہیں اور وہ اس ارادہ پر اجر کا مستحق ہے تو اگر وہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کو جراءت دلانے اور باطل کو روکنے کے لئے وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرکے مسلمانوں کے دلوں میں عقیدہ ایمان راسخ کرلے اور باطل نظام کو توڑنے کے لئے جدوجہد کرنے لگے اور وہ طاغوتی نظام کا انکار کردے تو یہ انفرادی عمل بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے بلکہ بہت سارے مسلمانوں کے ہیرو یہ کام سرانجام دے چکے ہیں خاص طور پر اس کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کوئی عالم دین اس پیغام کو لے کر باطل کو للکارنے کھڑا ہوجائے۔

اللہ فرماتا ہے:

فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ یَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّ اَشَدُّ تَنۡكِیۡلًا. (نساء:84)

’’(اے نبی)اللہ کی راہ میں قتال کرنہیں ہے مکلّف مگر آپ کا نفس اور مومنین کو رغبت دلائیں قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں کی پکڑ کو دور کرے جو کافر ہیں اور اللہ سخت پکڑ اور سزا دینے والا ہے‘‘۔

امام ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اس آیت کے ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف نبی علیہ السلام کو ہے مگر ہمیں کوئی ایسی خبر نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ قتال صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا امت پر نہیں اگر چہ یہاں لفظاً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مگر اس میں امت کے ہر ہر فرد کو انفرادی خطاب ہے اور یہ مثال ہے کہ جہاں ایک ایک فرد کو حکم دیا گیا ہو معنی یہ ہوا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کی امت کے ہر ہر فرد کو حکم ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرے اسی آیت کے پیش نظر ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ سمجھ لے کہ اس نے جہاد کرنا ہے اگر چہ اکیلے کرنا پڑے اسی بیان کی تصدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ کی قسم میں ان کے خلاف اکیلا لڑوں گا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول بھی اسی طرح کا ہے انہوں نے مرتدین کے بارے میں کہا اگر میرا دایاں ہاتھ میری مخالفت کرے گا تو میں بائیں ہاتھ سے قتال کروں گا‘‘۔(المحرز الوجیز: 203/2)

طبری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے روایت بیان کی ہے کہ ابو اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو کہا اے ابو عمارہ ایک شخص ایک ہزار دشمن سے ملتا ہے اور وہ ان پر حملہ کر دیتا ہے تو کیا وہ **ولا تلقوا بایدیکُم اِلٰی التھلکة.** ’’اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو‘ کے زمرے میں آئے گا یا نہیں انہوں نے کہا نہیں اس کو چاہیے وہ اس وقت تک قتال کرتا رہے جب تک کہ وہ شہید نہ ہو جائے کیونکہ اللہ نے اپنے نبی کو کہا ہے: (**فَقَاتِلُ فِیُ سَبِیُلِ اللّٰہِ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفُسَکَ**)’’قتال کر اللہ کی راہ میں نہیں مکلّف بنایا جاتا مگر تیرا نفس‘‘۔(تفسیر طبری : 203/2)

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیادت کے لئے منتخب فرمایا تھا مؤتہ والے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا آپ کا لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا جبکہ مد مقابل کی تعداد دو لاکھ کی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا’’جس چیز سے کراہت کرتے ہو (یعنی تعداد کا فرق) تم اس کے لئے نکلے ہوتا کہ شہادت حاصل

کرو ہم تعداد اور قوت سے قتال نہیں کرتے ہم صرف اس دین کی خاطر قتال کرتے ہیں چلو تمہیں دو بہترین چیزوں میں سے لازمی ایک ملے گی یا تو فتح یا شہادت ۔ نبی ﷺ کو یہ سب معلوم تھا مگر آپ ﷺ نے انکار نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈال رہے ہو اور یہ نہیں کہا کہ تمہاری تعداد بہت تھوڑی ہے اور تمہارے مقابلے میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے اس سے قبل ہم عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کر چکے اور ان کے علاوہ بھی بہت سارے واقعات اس بارے میں موجود ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ جہاد کی واجبیت ساقط ہونے سے جہاد کا جواز ساقط نہیں ہوتا خاص طور پر علماء ربانیین کا کلمہ حق کہنا کیونکہ یہ امت میں احیاء اور جراءت پیدکرنے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے اور اسی سے امت کی عاجزی لاچارگی ختم ہوگی اسی کلمہ کے کہنے پر صاحب کلمہ شہداء کا سردار قرار پایا سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ایک شخص نے ظالم امام کے سامنے کھڑے ہوکر حکم دیا اور منع کیا تو اس پر اس کو قتل کردیا۔(رواہ الترمذی، والحاکم عن جابر رضی اللہ عنہ)

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا: ’’جو شخص ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہتا ہے اگر اس کی پاداش میں قتل کردیا گیا تو وہ مجاہد کہلائے گا اور اس کے قتل میں اللہ کے دین کی مصلحت ہے (دین کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے)‘‘۔(الفتاوی الکبری : 182/26)

چھٹی بات: ہم کہتے ہیں کہ وہ استطاعت جو وجوب جہاد کا سبب ہے امت میں نہیں ہے تو ہمیں وہ اسباب بھی تلاش کرنے چاہئیں کہ وہ استطاعت مفقود کیوں ہوئی ہے؟ اور اسباب پر خوب بحث کریں خالی ان کا تذکرہ کردینا اور سرسری نگاہ ڈال لینا کافی نہیں ہے کیونکہ اس امت کو امتِ جہاد قرار دیا گیا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم ہر وقت جہاد کی تیاری رکھیں آج ہمیں اس حال میں کس چیز نے پہنچادیا کہ کمزور و عاجزی کی بناء پر ہم سے جہاد کے ساقط ہونے کی باتیں عام ہیں اگر اس کی وجہ دیگر شرعی امور کی طرح امت کی کوتاہی ہے جن کو امت ادا کرنے میں کوتاہی کررہی ہے ضائع کررہی ہے تو ایسے بہت سارے شرعی امور جمع ہیں جن کی ادائیگی میں امت کوتاہ ہے مگر ان کی کوتاہی سے وہ فرض

ساقط نہیں ہوتا لیکن اگر یہ کہیں کہ اس کا سبب امر قہری کونی ہے (یعنی قدرتی امر ایسا ہے) اس کی ان میں طاقت نہیں ہوسکتی اور اس کو زائل کرنا ناممکن ہے تو اسی بناء پر ہم جہاد سے معذور ہیں جبکہ شیخ عبدالقادر نے خود اس امت کو امتِ جہاد قرار دیا اور ثابت کیا اور امت کا اسلام کا باقی امتوں سے تعلق قتال وحرب کا ہے نہ کہ صلح کا لہٰذا یہ حکم حالت عجز میں بھی مستثنیٰ نہیں ہوسکتا جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''العمدۃ'' میں کہا کہ: ''مسلمانوں کو جہاد سے کوئی چیز روک نہیں سکتی سوائے عاجزی کے اور ایسی حالت میں جہاد کی تیاری کرنا واجب ہوتی ہے'' اور یہ اللہ کے اس قول کی وجہ سے ہے: (فلا تهنوا وتدعوا الى السلم وانتم الاعلون) ''نہ کمزور پڑو اور نہ صلح کی دعوت دو تم ہی غالب رہو گے'' جب تک مسلمان طاقت میں رہے تو وہ اپنے دشمن سے اعلیٰ رہے نہ صلح کی اور ان سے امن کی درخواست کی بلکہ فتنہ کے خاتمے تک قتال چلتا رہا تا کہ دین اللہ کے لئے ہوجائے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جہاد کی آخری آیت یہ نازل ہوئی:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (توبۃ:5)

''تم مشرکین سے قتال کرو جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ ان کو پکڑو ان کو محصور کردو اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ پر بیٹھو اگر وہ توبہ کرلیں نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں تو اس کا راستہ چھوڑ دیں بے شک اللہ غفور رحیم ہے''۔

اس آیت اور جزیہ والی آیت میں قتال کا عام حکم دیا گیا اور یہ قرآن کریم کی آخری نازل ہونے والی آیات میں سے ہیں اور ان آیات کے لئے کوئی ناسخ بھی نہیں ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: ''سب سے آخری سورۃ براءت نازل ہوئی''۔ چنانچہ نبی علیہ السلام اور خلفاء راشدین نے مشرکین اور اہل کتاب کے خلاف اسی طرح قتال کیا جس طرح اس میں حکم دیا گیا ہے اور اس سے مانع صرف کمزوری ہے لہٰذا کیا وجہ ہے کہ تم کفار کو بڑا کوشاں دیکھو گے کہ وہ مسلمانوں سے صلح

وسلامتی سے منع کرتے ہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً.

''کفار چاہتے ہیں کہ تم اگر اپنے اسلحہ سے غافل ہو جاؤ اور اپنے سامان سے تو وہ تمہاری طرف ایک ہی دفعہ متوجہ ہوں''۔

اس رسالہ میں یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ اگر جہاد میں عجز وضعف مانع ہو تو اس کی تیاری واجب ہوگی (وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ) کے تحت ورنہ امت عاجزی کی بناء پر گناہ گار رہے گی اور عاجزی اختلاف وانتشار کا نتیجہ ہے اور اس کے نتیجہ میں چونکہ انسان جہاد سے بھی دور ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. (انفال:46)

اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور تنازع نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

امت کو متفق رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب بھی امت جہاد سے دور ہوئی اور میدان جہاد چھوڑا ان میں اختلاف پیدا ہونے شروع ہو گئے لہٰذا ان کو رفع کرنے کی جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کوئی تدبیر نہیں ہے کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثمرہ کاملہ اتفاق کی صورت میں نکلتا ہے لہٰذا ان دونوں میں باہمی تلازم ہے جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جب لوگ جہاد چھوڑ دیں گے تو ان پر یہ آزمائش آنا شروع ہو جائیں گی کہ ان میں باہمی عداوت پیدا ہو جائے گی جس کے نتیجے میں فتنے واقع ہوں گے جیسا کہ آج واقع ہو رہے ہیں اور جب لوگ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ملا دے گا اور ان میں الفت پیدا کر دے گا اور ان کو اللہ کے دشمن اور خود ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا کر دے گا اور جب یہ جہاد کے لئے نہیں نکلیں گے تو اللہ ان کو عذاب سے دوچار کر دے گا وہ اس طرح کہ انہیں مختلف گروہوں میں بانٹ دے گا وہ ایک دوسرے کو سخت سزائیں

دیں گے''۔(مجموع الفتاوی :44/15)

دوسرا ذریعہ: مسلمانوں کو متفق رکھنے کا دوسرا ذریعہ جہاد کی تیاری ہے اور تیاری سے مراد ہر قسم کی تیاری ہے مادی بھی ایمانی بھی کیونکہ جب امت نے اس امر الٰہی کے نافذ کرنے میں سستی کی تو ان میں کمزوری واقع ہونا شروع ہوگئی اس مسئلے پر ہم پہلے بھی لمبی بحث کر چکے ہیں کہ جب عاجزی کمزوری کی بناء پر جہاد ساقط ہو جائے تو اس کا بدل جو کہ جہاد کی تیاری ہے وہ واجب ہو جاتا ہے مگر آج جو امت کی حالت ہے کہ وہ جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے جس کی طرف صاحب ''وثیقہ'' نے اشارہ کیا ہے وہ دراصل امت کی اوامر شرعیہ میں تفریط کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ آج امت اس دین پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہ ہے جو اللہ نے نازل کیا اور جو ہمیں نبی علیہ السلام نے عطا فرمایا اس ضعف کا سبب امر قہری نہیں ہے چنانچہ جہاد کی تیاری کی اہمیت واضح ہونے کے بعد امت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمہ وقت جہاد کے لئے تیار رہے تاکہ امت اور اس کے اثاثے محفوظ رہیں اور دشمن ان پر بری نگاہ نہ ڈال سکے اور مسلمانوں کو مکمل غلبہ حاصل ہو جائے اسی بناء پر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''عنقریب تمہارے لئے زمینیں کھول دی جائیں گی اور تمہیں اللہ کافی ہوگا اور تم میں سے کوئی اپنا حصہ حاصل کرنے سے عاجز نہیں رہے گا''۔(مسلم)

تیسرا ذریعہ: امت کی کمزوری کا ایک سبب ان کا دنیاوی امور میں مشغول ہونا اور دین سے بے رغبتی بھی ہے امت آج جتنی توجہ دنیا پر دیتی ہے اگر وہ اس کا آدھا حصہ دین پر دیتی خصوصاً دعوت دین، اسلامی تعلیمات سیکھنے سکھانے، جہاد کی تیاری، انفاق فی سبیل اللہ، جہاد کی رغبت دلانا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ تو امت کی جو حالت ہے وہ یقیناً نہ ہوتی اور کمزوری پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں تھا چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''نبی علیہ السلام نے فرمایا جب تم بیع عینہ کرنے لگو اور تم گائے کی دمیں پکڑ لو اور زراعت کو پسند کر لو اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دو تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا وہ تم سے اس وقت تک جدا نہیں ہوگی جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ''۔(ابوداؤد)

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''زراعت پسند کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب جہاد کا

وقت متعین ہو جائے اور وہ اس وقت جہاد کی بجائے زراعت پسند کرے تو اللہ ذلت مسلط کر دے گا۔ ذُلّاً ذال کی ضمہ اور کسرہ دونوں سے منقول ہے جس کا معنی ہے ذلت ورسوائی کی ایک قسم وہ ٹیکس بھی ہے جو وہ زمین کا ادا کرتے ہیں اور اس ذلت کا سبب واللہ اعلم جہاد فی سبیل اللہ کا ترک کرنا ہے کیونکہ جہاد ہی سے اسلام کا دیگر مذاہب پر غالب آنا ممکن ہے اور اگر اس کے برعکس چلیں گے تو ہم پر ذلت مسلط ہو جائے گی اور وہ گائے کی دم کے پیچھے چلنا شروع کر دیں گے جبکہ پہلے یہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار تھے جو کہ عزت مکانی کی علامت تھا''۔(عون المعبود : 241/9)

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ذلت ورسوائی کا سب سے بڑا سبب نبی علیہ السلام کے احکامات کی خلاف ورزی اور اللہ کے دشمن کے خلاف جہاد ترک کرنا لہٰذا جو رسول علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے ہیں ان کو عزت ملتی ہے اور جو قدرت کے باوجود جہاد ترک کرتے ہیں ذلیل ہوتے ہیں جیسا کہ پہلے حدیث (**اذا تبایعتم العینة**) گزر چکی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہل دیکھا تو فرمایا کہ جس گھر میں یہ داخل ہوا اس میں ذلت داخل ہو گئی جس نے وہ جہاد ترک کیا جو رسول علیہ السلام کرتے تھے باوجود قدرت کے اور وہ حصول دنیا میں لگا رہا اگرچہ وہ دنیا کو مباح طریقے سے حاصل کرتا رہا پھر بھی اس کو ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اگر وہ جہاد ترک کر کے دنیا حرام طریقے سے حاصل کرتا رہا تو اس کی کیا حالت ہو سکتی ہے آپ خود اندازہ کریں''۔(الحکم الجدیرہ بالاذاعة : 21/1)

چوتھا سبب: گناہوں معصیات کا عام ہونا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کمزور پڑنا۔ یہ وہ اسباب ہیں جو اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں اور عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ کے دشمن امتِ اسلامیہ پر مسلط ہو گئے ہیں اسی لئے اللہ فرماتا ہے:

وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ.

(شوریٰ:30)

''اور تمہیں جو چیز بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا سبب ہے وہ بہت سے معاملات سے درگزر کر دیتا ہے''۔

اس پوری بحث کا مقصد وخلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آج امت ضعف وکمزوری کی حالت میں زندگی بسر کررہی ہے اور وہ کمزوری حقیقی ہے جس سے فریضہ جہاد ساقط ہو چکا ہے مگر اس کمزوری کا سبب خود امت مسلمہ ہے اوران سے اللہ تعالیٰ اس بارے میں ضرور سوال کرے گا اور حساب لے گا کیونکہ یہ بات حتمی طور پر ثابت ہوچکی ہے کہ یہ کمزوری اللہ کے احکامات کی مخالفت اور منہیات سے عدم اجتناب کا نتیجہ ہے اس صورت میں امت کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اوران کے فرائض منصبی میں دوگنا اضافہ ہوجاتا ہے جن کوادا کرنا امت کی اصل ضرورت ہے۔

(واللہ المستعان)

اگراللہ نے مہلت دی تو گفتگو جاری رہے گی

الحمد للہ اولا و آخرا

ناشر: مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان